عجیب لوگ

ایران حضرت عمر فاروق کے زمانۂ خلافت میں فتح ہوا ہے۔ اس وقت ایران کی مسلم افواج کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص تھے۔ اس جنگ میں ایرانیوں کا کافی نقصان ہوا۔ چنانچہ انہوں نے گفت وشنید کی پیش کش کی۔ حضرت سعد نے مختلف وفود کو رستم اور یزدگرد کے دربار میں بھیجا۔ مثلاً نعمان بن مُقرن۔ فرات بن حیان۔ حنظلہ بن ربیع۔ عُطارد بن حاجب۔ اشعث بن قیس۔ مغیرہ بن شعبہ۔ عمرو بن معدیکرب کے وفود (البدایہ والنہایہ)

تاریخ میں ان سفارتوں کی کافی تفصیلات آئی ہیں۔ آخری مرحلہ میں حضرت مغیرہ کا وفد شہنشاہ یزدگرد کے زرق برق دربار میں آیا۔ مدائن کے محل میں انھوں نے انتہائی بے خوفی کے ساتھ تقریر کی۔ یزدگرد اس کو سن کر بگڑ گیا۔ اس نے کہا کہ تم میرے سامنے اس طرح کی باتیں کرتے ہو۔ اگر یہ قاعدہ نہ ہوتا کہ ایلچی قتل نہ کئے جائیں تو میں تم کو ضرور قتل کر دیتا۔ اب تم واپس جاکر اپنے امیر کو بتا دو کہ میں سپہ سالار رستم کی سرکردگی میں ایسا لشکر بھیجنے والا ہوں جو تم سب کو قادسیہ کے خندق میں دفن کر دے گا۔

پھر یزدگرد نے محل کے آدمیوں سے کہا کہ ایک ٹوکری میں مٹی بھر کر لاؤ۔ مٹی لائی گئی تو اس نے مسلمانوں کے وفد سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ تم میں سب سے زیادہ شریف کون ہے۔ وفد کے افراد چپ رہے۔ اس کے بعد عاصم بن عمرو بولے کہ میں سب سے زیادہ شریف ہوں۔ یزدگرد نے حکم دیا کہ مٹی کی ٹوکری عاصم بن عمرو کے گلے میں لٹکائی جائے اور ان کو یہاں سے بھگا دیا جائے یہاں تک کہ وہ مدائن کے باہر چلے جائیں۔

شاہی حکم کے مطابق مٹی کی ٹوکری عاصم بن عمرو کے گلے میں لٹکا دی گئی۔ وہ اس کو لے کر مدائن کے محل سے نکلے اور اونٹنی پر سوار ہو کر تیزی سے قادسیہ کی طرف روانہ ہوئے جہاں حضرت سعد بن ابی وقاص مقیم تھے۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے حضرت سعد کو ساری روداد سنائی اور مٹی کی ٹوکری ان کے سامنے رکھ دی۔ اس کے بعد جو واقعہ پیش آیا وہ تاریخ کے الفاظ میں یہ ہے:

ابشروا فقد واللہ اعطاناالله اقتالید ملکهم و تفاءلوا بذالك اخذ بلادهم	خوش ہو جاؤ۔ کیونکہ خدا کی قسم اللہ نے ہمیں ان کے اقتدار کی کنجیاں دیدی ہیں۔ اور انھوں نے اس سے ان کے ملک پر قبضہ کی فال لی۔

یہ مسلمان اگر مٹی پاکر غصہ ہوتے تو ان کے حصہ میں نفرت اور شکایت کے سوا کچھ نہ آتا۔ مگر جب وہ غصہ نہیں ہوئے تو مٹی دینے کا واقعہ ان کے لئے ملک دینے کے ہم معنیٰ بن گیا۔ ایک انتہائی ناخوشگوار واقعہ سے بھی انھوں نے اپنے لئے یقین اور حوصلہ کی غذا حاصل کرلی۔

یہی موجودہ دنیا میں ترقی اور کامیابی کا راز ہے۔ موجودہ دنیا میں ہر شخص اور ہر گروہ کو مکمل آزادی حاصل ہے۔ اس آزادی نے موجودہ دنیا کو مقابلہ (Competition) کی دنیا بنا دیا ہے۔ یہاں ہر آدمی دوسرے آدمی کی کاٹ میں ہے۔ ہر گروہ دوسرے گروہ کو دھکیل کر آگے بڑھ جانا چاہتا ہے۔

ایسی حالت میں ایک صورت یہ ہے کہ آدمی غصہ اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہو۔ وہ انتقامی نفسیات میں جلتا رہے۔ ایسے آدمی کا ذہن ہمیشہ منتشر رہے گا۔ وہ کبھی گہری منصوبہ بندی نہ کرسکے گا۔ ایسے آدمی کے لئے موجودہ دنیا میں ناکامی اور بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو ردعمل کی نفسیات سے بچائے۔ وہ اشتعال کے باوجود مشتعل نہ ہو۔ ایسے آدمی کا ذہن ہمیشہ اعتدال کی حالت میں رہے گا۔ وہ اپنے منفی اور مثبت پہلوؤں کو کسی کمی بیشی کے بغیر جان لے گا۔ اس کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ تمام حقیقتوں کو نگاہ میں رکھے اور حالات کے عین مطابق منصوبہ بندی کرے۔ ایسے شخص کے لئے کامیابی اتنی ہی یقینی ہے جتنا رات کے بعد سورج کا نکلنا۔

جو شخص اپنے آپ کو ردعمل کی نفسیات سے بچائے اس کی سوچ نہایت اعلیٰ سوچ بن جاتی ہے۔ اس کی نظر ہمیشہ امکانات پر ہوتی ہے۔ وہ مٹی کی ٹوکری میں پورے ملک کی تصویر دیکھ لیتا ہے۔ حوصلہ شکنی کے واقعات اس کے ذہنی خانہ میں داخل ہو کر حوصلہ مندی کے واقعات بن جاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو شکست کو فتح میں تبدیل کرتے ہیں۔ وہ ناکامی میں کامیابی کا راز دریافت کرلیتے ہیں۔

توہم پرستی

انسانی زبانیں ہزاروں سال تک توہمات (Superstitions) کا شکار رہی ہیں۔ یہ فرض کر لیا گیا کہ بعض زبانیں خدائی اصل (Divine Origin) رکھتی ہیں اور ان کے بولنے والوں کو دوسری زبانوں پر خصوصی درجہ حاصل ہے۔ مثلاً یونانی زبان کے متعلق عرصہ تک یہ سمجھا جاتا رہا کہ وہ تمام دوسری زبانوں سے اعلیٰ ہے۔ وہ دیوتاؤں کی زبان ہے۔ دوسری زبانیں اس کے مقابلہ میں وحشیوں کی زبانیں ہیں۔

یہی معاملہ عبرانی کا ہوا۔ یہودی۔ مسیحی دنیا میں صدیوں تک یہ سمجھا جاتا رہا کہ عبرانی زبان خدا کی اپنی زبان ہے۔ وہ سب سے پہلے دنیا میں بولی گئی۔ ونڈرلی اور نیڈا زبانوں پر مسیحی عقائد کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جن عوامل نے لسانی ترقی کو روکا ان میں سے ایک قدیم مسیحی مولفین کا یہ عقیدہ تھا جو نشاۃ ثانیہ کے دور میں شدت سے چھایا رہا کہ تمام زبانیں عبرانی سے نکلی ہیں:

> One of the factors which retarded linguistic progress was the belief among early Christian writers and persisting well into the Renaissance era, that all languages were derived from Hebrew.
>
> William L. Wonderly and Eugene Nida in
> "*Linguistics and Christian Missions*"
> *Anthropological Linguistics*, Vol. 5, pp. 104–144

چنانچہ صدیوں تک علماء لسان لاحاصل کوششوں میں مشغول رہے۔ وہ ہر زبان کا رشتہ عبرانی سے ثابت کرتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم اللسان ترقی نہ کر سکا۔ اٹھارہویں صدی میں جب یہ فکر مغلوب ہوا اس وقت یورپ کی مختلف زبانوں کا علم اللسان ترقی کرنا شروع ہوا۔

خدائی زبان (Divine Language) کا تصور تمام تر توہمات کی پیداوار ہے۔ یہ صورت جو زبان کے ساتھ پیش آئی یہی قدیم زمانہ میں دوسرے انسانی شعبوں کا بھی حال تھا۔ بے شمار قسم کے توہماتی عقائد تھے جنھوں نے انسانی ترقی کو روک رکھا تھا۔ تاریخ میں پہلی بار جس نے اس بند کو توڑا وہ توحید کا انقلاب تھا جو پیغمبر اسلام اور آپ کے ساتھیوں کے ذریعہ رونما ہوا۔ یہ انقلاب اولاً عرب میں پیدا ہوا۔ اس کے بعد اس کے اثرات ساری دنیا میں پہونچے۔ انسانی تاریخ توہم پرستی کے دور سے نکل کر حقیقت پسندی کے دور میں داخل ہو گئی۔

حکمت

حضرت علی کی نصیحتوں میں سے ایک نصیحت یہ ہے :

کلموا الناس علی قدر عقولھم اتریدون — لوگوں سے ان کی فہم کے مطابق بات کرو ۔ کیا تم چاہتے
ان یکذب اللہ ورسولہ — ہو کہ اللہ اور رسول کو جھٹلایا جائے ۔

بعض باتیں بذات خود صحیح ہوتی ہیں ۔ مگر ان کی گرفت وہی لوگ کرسکتے ہیں جو گہری سمجھ رکھتے ہوں عام لوگ ان کو پکڑ نہیں سکتے ۔ ایسی حالت میں بات کرتے ہوئے مخاطب کے معیار فہم کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ۔ سادہ فہم کے لوگوں سے زیادہ گہری قسم کی باتیں کی جائیں تو اندیشہ ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے وہ اس سے متوحش ہو جائیں ۔

ایک مرتبہ میں چند آدمیوں کے ساتھ تھا ۔ ایک گفتگو کے دوران میری زبان سے یہ فقرہ نکلا :

"خود کفیل زندگی تمام نیکیوں کا آغاز ہے"

یہ سن کر ہمارے ساتھی متوحش ہو گئے ۔ انھوں نے کہا کہ یہ کیا بات آپ نے کہدی ۔ ہم تو یہ سمجھتے رہے ہیں کہ ایمان سے نیکیوں کا آغاز ہوتا ہے ۔ اور آپ فرمارہے ہیں کہ خود کفیل زندگی تمام نیکیوں کا آغاز ہے ۔

میں ابھی خاموش تھا کہ میرے ایک اور ساتھی نے بات سنبھال لی ۔ انھوں نے کہا کہ بھائی یہ حکمت کا کلمہ ہے ۔ اس کو قانون کی نظر سے نہ دیکھو بلکہ حکمت کی نظر سے دیکھو ۔

ادبی انقلاب

نیوٹن (۱۶۴۲-۱۷۲۷) کی دریافتوں کے نتیجہ میں جو عظیم ذہنی انقلاب ہوا، اس کے بعد یورپ میں ایک ترقی یافتہ تکنیک وجود میں آئی اور پھر مطالعہ کے قطعی طریقے (Exact methods) پیدا ہوئے جن کو مسائل پر منطبق کیا جانے لگا۔ اس نہج نے فلسفہ، الہیات اور سیاسیات کے طریق مطالعہ کو متاثر کیا۔ اس باب میں ہم ادب پر اس انقلاب کے اثرات کا مطالعہ کریں گے۔

سائنسی علم (Scientific knowledge) سے پیدا شدہ صورت حال نے لکھنے والوں پر قابل لحاظ اثر ڈالا ہے۔ شکسپیر (۱۵۶۴-۱۶۱۶) جو کچھ پورے اعتماد اور سنجیدگی کے ساتھ لکھ سکتا تھا، وہ ملٹن (۱۶۰۸-۱۶۷۴) کے لئے ناممکن اور الگزینڈر پوپ (۱۶۸۸-۱۷۴۴) کے لئے ناقابل قیاس تھا، اگرچہ ادبی صلاحیتوں (Literary talents) کے اعتبار سے تینوں یکساں بلندی کے انسان تھے۔ شکسپیر کو تینوں میں سب سے اونچا مقام حاصل ہوا۔ اس کی کم از کم جزئی وجہ یہ تھی کہ اسے ایک خوش قسمت عہد (Fortunate period) ملا۔ وہ انگریزی زبان کے ایک عظیم دور کے آغاز میں اور عظیم ذہنی انقلاب سے پہلے پیدا ہوا۔ جس زمانہ میں اس نے اپنی تحریریں لکھیں، اس وقت استعاراتی انداز اہمیت رکھتا تھا جو نیوٹن کے بعد اسے پھر حاصل نہ ہو سکا۔

تمثیل موجودہ زمانہ میں دو قسم کی ہو سکتی ہے۔ ایک تمثیل وہ ہے جو سائنس داں کے لئے عملی نمونہ (Working model) کا کام دیتی ہے۔ ایٹم کا قدیم تصور کہ وہ بالکل گول ہے، انتہائی سخت ہے۔ اسی قسم کا ایک ماڈل تھا۔ بعد کو ردر فورڈ (۱۸۷۱-۱۹۳۷) کا ایٹمی تصور بھی اس کی ایک مثال تھا جس کے مطابق اس کے اندر ایک ایٹمی نیوکلیس تھا جو مثبت برقی چارج رکھتا تھا اور اس کے گرد الکٹرون (Electron) سیاروں کی طرح حرکت کر رہے تھے۔ تمثیل کی یہ قسم تجربات سے حاصل شدہ علم کے خلاصہ کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ اگر اندازے پورے اتریں تو ماڈل باقی رہتا ہے۔ اور اگر اندازے پورے نہ ہوں تو ماڈل کی یا تو تصحیح کی جاتی ہے یا اسے ختم کر دیا جاتا ہے۔

ادبی کنایہ (Literary analogy) جو عام طور پر تشبیہ کی شکل میں ہوتا ہے، اس کا مقصد بالکل مختلف ہوتا ہے۔ یہ اس لئے وضع کیا جاتا ہے کہ قاری کو ایک بیان کی صداقت کے بارہ میں

ایک دلچسپ نظیر سے متاثر کیا جائے۔ سائنسی ماڈل کے مقابلہ میں یہ بالکل وقتی نوعیت کی چیز ہے۔ سائنسی ماڈل سائنس داں کے اندازوں کو ظاہر کرنے کے لئے اس وقت تک استعمال کیا جاتا ہے، جب تک وہ غلط ثابت نہ ہو جائے۔ مزید یہ کہ ادبی تمثیل اپنی ذات میں کوئی ایک چیز نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ حقیقی نہیں سمجھی جاتی۔

تاہم عظیم ذہنی انقلاب سے پہلے یہ دو قسم کی تمثیلات ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ نہیں تھیں۔ یہ سمجھا جاتا تھا کہ اخلاقی نظام ہر اعتبار سے نہایت گہرائی کے ساتھ طبیعی دنیا سے مربوط ہے۔ جب شکسپیئر اپنے ایک ڈرامہ کے کردار کی زبان سے فوجی نظم و ضبط پر استدلال کرتے ہوئے اس سے کہتا ہے کہ سورج سیاروں کے درمیان کمانڈر کی سی پوزیشن رکھتا ہے تو وہ محض ایک تشبیہ نہیں دیتا بلکہ اپنے یقین کے مطابق وہ کائنات کی فطرت کے بارہ میں ایک صحیح سائنسی بیان دیتا ہے۔ یہ خدائی نظام کا ایک جز تھا کہ سورج سیاروں کے اوپر حکمراں ہو اور اسی طرح Agamemnon یونانیوں کے اوپر حکومت کرے۔ اور ان دونوں میں سے کسی کی حکمرانی میں بھی فرق آنا وسیع تر کائنات میں خلل پیدا کرنے کا سبب بن سکتا تھا:

> The rise of science led to a separation of reason from emotion; and naturally enough, an age of prose followed an age of poetry.
> (p.108)

سائنس کے عروج نے عقل اور جذبات کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔ اور فطری طور پر شاعری کے دور کی جگہ نثر کے دور نے لے لی۔

سترھویں صدی کے وسط سے پہلے نثر بھی رنگین اور شاعرانہ طرز کی ہوتی تھی۔ سولیفٹ (۱۷۴۵-۱۶۶۷) اور اڈیسن (۱۷۱۹-۱۶۷۲) کے وقت سے یہ محض سخن سازی سمجھی جانے لگی۔ ماقبل سائنس کے استعاراتی انداز کی ایک مثال لائلی (۱۶۰۶-۱۵۵۴) کی کتاب (Euphues) میں ملتی ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۵۷۹ میں شائع ہوئی۔ اس وقت وہ ایک پسندیدہ کتاب تھی اپنے اسٹائل کے اعتبار سے بھی اور اخلاقی مضامین کے اعتبار سے بھی۔ ۱۶۳۶ تک وہ بار بار چھپتی رہی۔ اس کے بعد عام قارئین میں اس نے اپنی جاذبیت کھو دی اور محض ایک ادبی عجوبہ (Literary curiosity) بن کر رہ گئی۔

۱۶۵۰ تک ایک شخص انگلش لٹریچر میں عالم خیال اور عالم فطرت کے درمیان کاملیت (Wholeness)

پاتا ہے۔ اس صدی کے وسط سے دونوں کے درمیان خلیج پیدا ہونا شروع ہوئی اور آرٹ اور سائنس کی تقسیم کی شکل میں دونوں الگ الگ ہو گئے۔ اس کے بعد انگریزی میں ایک سادہ اور استعارہ اور کنایہ سے خالی انداز پیدا ہونے لگا جس کی سب سے بڑی وجہ یورپ میں سائنس کی طرف بڑھتا ہوا رجحان تھا۔ سادگی اظہار (Simplicity of expression) پیدا ہونے کی اور بھی وجہیں تھیں۔ مثلاً سترھویں صدی میں جب تعلیم بڑھی تو یونانی اور لاطینی کلاسیکل کتابوں کے مقابلہ میں لوگ زیادہ تر فلکیات بحریات، جہاز سازی اور گھڑی سازی کے مطالعہ میں دلچسپی لینے لگے۔ اس طرح فطری طور پر سادہ زبان کا رجحان بڑھا کیونکہ یہ مضامین شاعرانہ طرز کے ادب میں بیان نہیں کئے جا سکتے تھے۔ پچھلے سو برس میں اپنا کی زبان بھی اس سے اثر پذیر ہوئی ہے۔ تعلیمی انفجار (Literary explosion) کے بعد عوامی صحافت (Popular journalism) پیدا ہوئی اور اسٹائل میں سادگی آتی چلی گئی۔ سترھویں صدی کے بعد پیدا ہونے والے ادب کو ٹھیک ٹھیک حقائق (Precise facts) بیان کرنے تھے۔ اس لئے سادہ انداز بیان کا پیدا ہونا بالکل فطری تھا۔

سپراٹ (Spart) نے ۱۶۶۷ میں (*History of Royal Society*) لکھی۔ اور اس میں نثر کے اسٹائل کے اصول مقرر کئے۔ اس میں اس نے لکھا کہ ہم کو فطری طرز کلام (Natural way of speaking) اختیار کرنا چاہئے جس میں ریاضیاتی ڈھنگ کی واقعیت ہو اور لفظی رنگینیوں سے خالی ہو۔

۱۶۶۴ میں رائل سوسائٹی نے بالقصد ایک کمیٹی قائم کی جس کا مقصد یہ تھا کہ انگریزی زبان کے اسٹائل میں اصلاح کی کوشش کرے۔

اس وقت کے یورپ میں عوامی لہر پوری طرح شعر، استعارہ اور شاعرانہ نثر (Poetic prose) کے خلاف تھی۔ فلاسفہ عام طور پر اس طرز بیان کو سچائی (Truth) میں ایک رکاوٹ سمجھتے تھے۔ ہابس (۱۵۸۸ - ۱۶۷۹) کے نزدیک وہ سیدھے فکر (Straight thinking) میں خلل پیدا کرنے والا تھا روسو (۱۷۱۲-۱۷۷۸) نے کہا تھا کہ ڈیکارٹ (۱۵۹۶ - ۱۶۵۰) کے فلسفہ نے شاعری کو قتل کر دیا ہے۔ جان لاک (۱۶۳۲ - ۱۷۰۴) نے صاف طور پر کہا کہ شاعری خوبصورت تصویروں کا مجموعہ ہے مگر وہ بنیادی طور پر گمراہ کن ہے۔

ملٹن آخری شاعر تھا جو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور سر ٹامس براؤن (۱۶۸۲-۱۶۰۶) شاید آخری شخص تھا جس نے اس طرز کی نثر لکھی۔ ٹامس براؤن ایک تعلیم یافتہ شخص تھا۔ مگر وہ قدیم طرز کی زبان استعمال کرتا تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ خواہش کے باوجود رائل سوسائٹی کا فیلو نہ بنایا جا سکا۔ اس وقت کے اہل فکر ایک ایسی نثر وجود میں لانا چاہتے تھے جو فلسفۂ فطرت کے نئے میکانکی تصور سے ہم آہنگ ہو ؛

> They were interested in the development of prose style in accordance with new mechanical concepts of natural philosophy. (p.117)

نثر میں سادگی پیدا کرنے کی تحریک کا سہرا خاص طور پر جان ڈرائڈن (۱۷۰۰-۱۶۳۱) کے سر ہے اس نے مسلسل اس کی تبلیغ کی اور خود سادہ نثر استعمال کی۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جدید انگریزی درحقیقت ڈرائڈن کی زبان ہے۔

اٹھارویں صدی کو "ایج آف ریزن" کہا جاتا ہے۔ نیوٹن کے بعد محسوس کیا گیا کہ جس طرح عالم افلاک میں نظم و ضبط ہے اسی طرح لٹریچر کو بھی نظم و ضبط کا پابند ہونا چاہیے۔ اڈمنڈ والر (۱۶۸۷-۱۶۰۶) اور ڈرائڈن نے شاعرانہ زبان کے ذریعہ تاثیر پیدا کرنے کے بجائے یہ کوشش کی کہ متوازن خیالات (Well-balanced thoughts) کو معتدل اور مناسب زبان میں ادا کر کے یہ فائدہ حاصل کیا جائے۔

اڈیسن (۱۷۱۹-۱۶۷۲) نے اپنی کتاب (The Spectator) میں انھیں خیالات کی وکالت کی۔

اس ادبی تحریک (Literary move) نے ارسطو کو دوبارہ اہمیت کا مقام دے دیا۔ پوپ نے فطرت (Nature) کی پیروی کی تلقین کی۔ ورڈسورتھ کی فطرت کی نہیں بلکہ وہ فطرت جس کو نیوٹن نے دریافت کیا تھا۔

ولیم بلیک (۱۸۲۷-۱۷۵۷) نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔ وہ شاعر کو اسی قسم کی ایک مخلوق سمجھتا تھا جیسے قدیم اسرائیلی پیغمبر۔ اسی طرح ورڈسورتھ (۱۸۵۰-۱۷۷۰) نے بھی اس کے خلاف احتجاج کیا۔ اس نے کہا کہ حقیقت کی کچھ اور قسمیں ہیں جو ان مادی صداقتوں کے علاوہ ہیں

جن کو سائنس داں بیان کرتے ہیں۔ یہ دوسری قسم کی صداقتیں وہ ہیں جن تک صرف شاعر کی پہنچ ہو سکتی ہے۔

رومانوی تحریک (Romantic Movement) ایک معنی میں نیوٹنی قطعیت (Newtonian certainty) کے خلاف شاعرانہ ردعمل تھی اور ہابس کے خلاف جس نے کہا تھا کہ انسان بنیادی طور پر ایک مشین ہے۔

رومانیت (Romanticism) ایک قسم کی فراریت (Escapism) تھی۔ رومانیت شاعری کے اندر ۱۷۹۸ سے جنگ عظیم ۱۸-۱۹۱۴ تک رہی۔

اب یورپ میں تین سو سالہ دور کا ردعمل ہو رہا ہے۔ صنعتی دور کی خشکی سے اکتا کر وہ سائنس کے ساتھ آرٹ کی اہمیت کو بھی تسلیم کر رہا ہے۔ سترھویں صدی میں سائنس نے زبردست ترقی کی تھی۔ آرٹ نے بھی قدیم زمانہ میں بہت بلند مقام حاصل کیا تھا۔ ہو سکتا ہے مستقبل میں وہ دوبارہ اپنے مقام پر لوٹ آئے۔ (۱۲۵)

(دی گریٹ انٹلکچول ریوولیشن کے ایک باب استعارہ کی موت (The Death of Metaphor) کا ترجمہ)

عظمت قرآن

قرآن کے کتاب الٰہی ہونے کے دلائل، اس کی حفاظت کا تاریخی اہتمام، اور نوع انسانی کے لیے اس کا ربانی پیغام

از:

مولانا وحید الدین خاں

مکتبہ الرسالہ نئی دہلی ۱۳

الفاظ کا رجسٹر

قدیم مدینہ میں یہود کے بعض قبیلے آباد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بارہ سال بعد ہجرت کرکے مدینہ آئے تو یہود بھی آپ کی مجلسوں میں آکر بیٹھنے لگے۔ قاعدہ ہے کہ سامعین میں سے کوئی شخص بات کو پوری طرح سمجھ نہ پائے تو وہ صاحب مجلس کو مزید متوجہ کرنے کے لیے کوئی لفظ بولتا ہے۔ یہود نے ایسے موقع پر رَاعِنَا کہنا شروع کیا۔

رَاعِنَا مراعات سے امر کا صیغہ ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں "ہماری رعایت کیجئے" مخاطب یہ لفظ بول کر متکلم پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس نے متکلم کی بات کو اچھی طرح نہیں سنا یا اچھی طرح نہیں سمجھا۔ اس لیے وہ چاہتا ہے کہ متکلم اپنی بات کی دوبارہ وضاحت کرے۔

بعض الفاظ لغت کے اعتبار سے بظاہر درست ہوتے ہیں مگر استعمال کے اعتبار سے ان میں ناپسندیدہ مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی معاملہ رَاعِنَا کا تھا۔ رَاعِنَا لغت کے اعتبار سے بظاہر ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہود کے یہاں یہ لفظ استعمال کے اعتبار سے بُرے معنی کا حامل بن گیا تھا (كان هٰذا اللفظ سبّاً قبيحاً بلغة اليهود ---- قيل كان معناه يا احمق من الرعونة ، التفسير المظهري ، جلد اوّل ، صفحه ١١)

مدینہ کے مسلمانوں (انصار) پر سیکڑوں سال سے یہود کی دینی عظمت بیٹھی ہوئی تھی انھوں نے یہود کے عمل کو دیکھ کر سمجھا کہ شاید یہ بزرگوں اور پیغمبروں کو مخاطب کرنے کا طریقہ ہے۔ چنانچہ وہ بھی آپ کی مجلسوں میں رَاعِنَا کا لفظ استعمال کرنے لگے۔ مگر قرآن میں مسلمانوں کو اس کے استعمال سے روک دیا گیا۔ حکم ہوا کہ تم لوگ ایسے مواقع پر اُنْظُرْنَا

(ہمارے اوپر نظر کیجیے) کا لفظ بولا کرو، اور رَاعِنَا کا لفظ بولنا چھوڑ دو (البقرہ ۱۰۴)

ایک حدیث

سورہ النور (آیت ۲۷) میں یہ حکم ہے کہ اے ایمان والو، جب تم اپنے گھر کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل ہو تو السلام علیکم کہو اور اجازت لے کر داخل ہو۔ ابتداءً جب یہ حکم اترا تو اس کے آداب لوگوں کو صحیح طور پر معلوم نہ تھے۔ چنانچہ بعض عجیب واقعات پیش آئے۔ اس سلسلے میں ایک روایت ابوداؤد میں اس طرح آئی ہے:

عن ربعی قال اتی رجل من بنی عامر فاستاذن علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی بیتہ فقال ءَاَلِجُ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لخادمہ: اخرج الی ھذا فعلّمہ الاستئذان فقل لہ: قل السلام علیکم ءَاَدخل فسمعہ الرجل فقال السلام علیکم ءَاَدخل۔ فاذن لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدخل

(تفسیر ابن کثیر، جزء ثالث، صفحہ ۲۸۰)

حضرت ربعی کہتے ہیں کہ قبیلہ بنی عامر کا ایک شخص آیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تھے۔ اس نے آپ سے اندر آنے کی اجازت چاہی اور کہا کہ کیا میں گھس آوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم سے کہا کہ اس شخص کے پاس جاؤ اور اس کو بتاؤ کہ اجازت لینے کا طریقہ کیا ہے۔ اس سے کہو کہ تمہیں یوں کہنا چاہیے کہ السلام علیکم کیا میں اندر آجاؤں۔ آدمی نے آپ کا یہ کلام سن لیا۔ اس نے دوبارہ کہا کہ السلام علیکم کیا میں اندر آجاؤں۔ اس کے بعد آپ نے اس کو اجازت دے دی اور وہ اندر داخل ہوا۔

عربی زبان میں وَلَجَ یَلِجُ کے معنی بھی اصلاً وہی ہیں جو دَخَلَ یَدْخُلُ کے معنی ہیں۔ مگر استعمال کے اعتبار سے وَلَجَ یَلِجُ کا مفہوم تقریباً وہ بن گیا ہے جس کو اردو زبان میں گھسنا کہتے ہیں۔ اس کے برعکس دَخَلَ یَدْخُلُ سادہ طور پر اندر آنے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

مذکورہ شخص کا بولا ہوا لفظ لغوی زبان کے اعتبار سے درست تھا۔ مگر وہ استعمالی زبان کے اعتبار سے درست نہ تھا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس

کی اصلاح فرمائی۔

کسی تحریر یا تقریر میں الفاظ کی موزونیت (Appropriateness) بے حد اہم چیز ہے۔ ہر تقریر یا تحریر کا کوئی محل ہوتا ہے، اور اسی کے لحاظ سے اس کے لیے موزوں یا غیر موزوں الفاظ ہوتے ہیں۔ جدید علم اللسان میں اس کو الفاظ کا رجسٹر (Register) کہا جاتا ہے۔ ہر زبان میں استعمال کے اعتبار سے الفاظ کے مختلف "رجسٹر" ہوتے ہیں۔ ایک لفظ ایک موقع کے لیے درست ہوتا ہے، مگر وہی لفظ کسی دوسرے موقع کے لیے درست نہیں ہوتا۔ اس لیے لکھنے یا بولنے والے کو چاہیے کہ وہ اس فرق کو جانے۔ وہ جس موضوع پر لکھ یا بول رہا ہے اس کے رجسٹر سے اپنے لیے الفاظ کا انتخاب کرے۔

اسلام دینِ کامل ہے۔ اس میں ہر معاملہ کے بارہ میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ مذکورہ مثال ظاہر کرتی ہے کہ اسلام میں اس لسانی مسئلہ کو بھی بتا دیا گیا کہ الفاظ کا رجسٹر ہوتا ہے اور آدمی کو چاہیے کہ وہ رجسٹر کے لحاظ سے موضوع کلام کے مطابق الفاظ استعمال کرے۔ وہ رجسٹر کے باہر کے الفاظ استعمال کرنے سے پرہیز کرے۔

چند مثالیں

یہ کسی ایک زبان کی بات نہیں۔ بلکہ اس اصول کا تعلق ہر زبان سے ہے۔ ہر زبان میں ایسا ہوتا ہے کہ بعض الفاظ استعمال کے اعتبار سے کسی متعین مفہوم کے لیے خاص ہو جاتے ہیں ایسے الفاظ کے سلسلے میں ضروری ہے کہ صرف ان کا لغوی مفہوم نہ دیکھا جائے بلکہ ان کا استعمالی مفہوم بھی دیکھا جائے اور ان کو لکھتے یا بولتے ہوئے ان کے استعمالی مفہوم کا لحاظ رکھا جائے۔

اوپر ہم نے عربی زبان کی مثال نقل کی ہے۔ اب ذیل میں اردو اور انگریزی زبان کی ایک ایک مثال نقل کی جاتی ہے۔

سورہ کہف (آیت ۱۸) میں اصحاب کہف کے سونے کی کیفیت بیان ہوئی ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ایک خصوصی انتظام تھا۔ چنانچہ اس کی تشریح کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر "تدبر قرآن" میں لکھتے ہیں:

"وہ غار میں محو خواب تھے لیکن صورت حال ایسی تھی کہ اگر اتفاق سے کوئی ان کو دیکھ پاتا تو یہ گمان نہ کرتا کہ وہ سو رہے ہیں بلکہ وہ یہی سمجھتا کہ جاگ رہے ہیں۔ یعنی ان کو سوتا اور بے خبر سمجھ کر کوئی ان کو نقصان پہونچانے کی جرأت نہ کر سکتا بلکہ ان کو اپنی حفاظت کے لیے بیدار و ہوشیار خیال کرتا۔ ان کے سونے کی ہیئت ایسی تھی کہ معلوم ہوتا کہ کچھ لوگ ذرا دم لینے کے لیے بس لیٹ گیے ہیں۔ ایسی نہیں کہ دیکھنے والا سمجھے کہ انٹاغفیل پڑ کر سو رہے ہیں"

اوپر کی عبارت میں خط کشیدہ لفظ پر غور کیجیے۔ یہ خالص لغوی معنی کے اعتبار سے درست ہے۔ مگر تفسیر قرآن اور اصحاب کہف کے تذکرہ میں اس لفظ کا استعمال قطعاً موزوں نہیں۔ موضوع کے اعتبار سے یہ رجسٹر سے باہر کا لفظ ہے جس کو یہاں بے تکلف استعمال کیا گیا ہے۔

راقم الحروف کی کتاب "پیغمبر انقلاب" میں صفحہ ۶۲ پر حضرت اسامہ بن زید کی مہم کا ذکر ہے۔ اس سلسلہ میں بتایا گیا ہے کہ خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق کو اس کی اہمیت کا اتنا زیادہ احساس تھا کہ آپ "لشکر کو خود رخصت کرنے کے لیے پیدل چل کر لشکر گاہ تک پہونچے۔ اسامہ بن زید کو ان کے لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ جب اسامہ اپنی سواری پر چلے تو حضرت ابو بکر صدیق بھی ساتھ ساتھ باتیں کرتے ہوئے چلنے لگے۔"

اس عبارت کے آخری فقرہ کا انگریزی ترجمہ ایک صاحب نے ان الفاظ میں کیا:

With Usamah aloft on his mount, the Caliph of
the Muslims walked alongside, chatting with him.

یہاں Chatting کا لفظ خالص لغت کے اعتبار سے غلط نہیں ہے۔ مگر وہ استعمال کے اعتبار سے سراسر غلط ہے۔ کیوں کہ Chatting کا لفظ انگریزی زبان میں غیر سنجیدہ گفتگو کے لیے مستعمل ہے نہ کہ خلیفۂ اسلام جیسی مقدس شخصیت کی سنجیدہ گفتگو کے لیے۔

ایک انگریزی کتاب

موجودہ زمانہ میں الفاظ کے رجسٹر کے موضوع پر بڑی بڑی تحقیقی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یہاں ہم ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈوائٹ بولنگر کی کتاب کا حوالہ دیں گے جو کہ حسب ذیل ہے:

Dwight Bolinger, *Aspects of Languages*
Harcourt Brace Jovanovich, Inc., New York 1975, pp. 682

پروفیسر بولنگر نے "رجسٹر" کے مسئلہ پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔ اور مختلف پہلوؤں سے بہت سی مثالیں نقل کی ہیں۔ مثلاً ایک جگہ وہ کہتے ہیں :

While shouts of 'Amen', 'Right on' would be appropriate to spur on the minister of a revival meeting in a small Southern church, the professor giving a lecture on astrophysics at a university would be surprised to receive encouragement in such a form. (p.358)

ایک مذہبی معلم عبادت خانہ میں وعظ کہہ رہا ہو اور حاضرین آمین اور بارک اللہ کہیں تو یہ وہاں کے لیے بالکل مناسب ہوگا۔ لیکن ایک پروفیسر اگر فلکیاتی طبیعیات کے موضوع پر یونیورسٹی میں لکچر دے تو پروفیسر سخت حیرت میں پڑ جائے گا اگر سامعین اس طرح کے کلمات سے اس کی حوصلہ افزائی کرنے لگیں۔

اسی طرح وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں :

If a person is being served at table, rather than 'No more, please' it may be considered better manners to say 'Thank you' with a headshake or a gesture of the hand. (p.361)

ایک شخص کھانے کی میز پر ہو اور وہ مزید کھانے سے معذرت کرنا چاہے تو بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ سر یا ہاتھ کے اشارے کے ساتھ کہے کہ شکریہ۔ اس کے بجائے اگر وہ کہے کہ "اب نہیں" تو یہ آداب کلام کے خلاف ہوگا۔

اسی طرح ایک اور پہلو سے مثال دیتے ہوئے پروفیسر بولنگر لکھتے ہیں :

A sentence such as 'Secretary Kissinger was worried about the agreement' may cast an overly personal light on an affair of state; if we say that he was 'apprehensive' we make him a diplomat again. (p.613)

انگریزی زبان میں Worry اور Apprehension معنی کے اعتبار سے ملتے جلتے الفاظ ہیں۔

مگر مذکورہ فقرہ میں worry کا استعمال درست نہیں۔ کیوں کہ سکریٹری کسنجر کے ساتھ Apprehensive کا لفظ ان کے ڈپلومیٹ ہونے کی حیثیت کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے جب کہ Worried کے لفظ میں ان کی حیثیت ایک عام انسان جیسی ہو کر رہ جاتی ہے۔

جس طرح مختلف مواقع کے لیے استعمال کی زبان الگ الگ ہوتی ہے، اسی طرح مذہبی کلام اور غیر مذہبی کلام کے لیے بھی الفاظ کا رجسٹر الگ الگ ہوتا ہے۔ جدید ترقی یافتہ زبانوں کے اچھے مصنفین اس معاملہ میں بہت محتاط ہوتے ہیں۔ وہ جس موضوع پر لکھتے ہیں اسی کے رجسٹر سے اپنے لیے الفاظ لیتے ہیں۔ وہ کبھی دوسرے موضوع کے رجسٹر سے الفاظ لینے کی غلطی نہیں کرتے۔

بدقسمتی سے اردو زبان ابھی اس معاملہ میں بہت پیچھے ہے۔ یہاں کسی چیز کا کوئی معیار نہیں۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے مشہور مصنفین بھی اس طرح لکھتے ہیں جیسے کہ وہ اس بات کو جانتے ہی نہ ہوں کہ الفاظ کا الگ الگ رجسٹر ہوتا ہے۔ اور کسی موضوع پر لکھتے ہوئے آدمی کو اسی رجسٹر سے الفاظ لینے چاہئیں جو اس کے موضوع سے مطابقت رکھتے ہوں۔

تفسیر قرآن

قرآن کی تفسیر بلاشبہ سب سے زیادہ مقدس موضوع ہے۔ تفسیر کی کتاب میں اس قسم کا لسانی عیب قطعاً نہیں ہونا چاہیے۔ مگر اردو زبان میں معیار بندی نہ ہونے کا یہ نتیجہ ہے کہ تفسیر کی کتابیں بھی اس سے خالی نہیں۔ اس سلسلہ میں ڈپٹی نذیر احمد مرحوم کا ترجمہ سب سے زیادہ واضح مثال ہے۔ اس میں تقریباً صفحہ صفحہ پر اس قسم مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں کہ مترجم نے رجسٹر سے باہر کے الفاظ کو قرآنی آیات کے ترجمہ کے لیے استعمال کیا ہے۔

تاہم دوسرے نسبتاً محتاط مفسرین کی کتابیں بھی اس عیب سے خالی نہیں۔ یہاں ہم چند مشہور مفسرین قرآن کی مثال سے اس معاملہ کو واضح کریں گے۔ آئندہ جو اقتباسات دیئے جارہے ہیں ان میں نشان زد الفاظ پر غور کیجیے۔ یہ واضح طور پر تفسیر کی زبان کے لیے موزوں نہیں۔ یہ رجسٹر سے خارج الفاظ ہیں جن کو مقدس کلام کے ترجمے و تشریح کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

سورہ کہف (آیت ۵۰) میں شیطان کی ذریت (وذریتہ) کا لفظ ہے۔ قرآن کی اس آیت کا ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے، وہ جنات میں سے تھا۔ سو اس نے اپنے رب کے حکم سے عدول کیا۔ سو کیا پھر بھی تم اس کو اور اس کے چیلے چانٹوں کو دوست بناتے ہو مجھ کو چھوڑ کر، حالاں کہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔"

سورہ مائدہ (آیت ۳۸) میں سارق اور سارقہ کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت کا ترجمہ مولانا عبدالماجد دریا بادی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"اور چوٹٹے اور چوٹٹی دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ ان کے کرتوتوں کے عوض میں، اللہ کی طرف سے بطور عبرتناک سزا کے۔ اور اللہ بڑا قوت والا، بڑا حکمت والا ہے۔"

سورہ النور (آیت ۳۲) میں نکاح کا ایک حکم ہے۔ اس کا ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"اور اپنی رانڈوں اور رنڈوؤں اور ذی صلاحیت غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کرو۔ اگر وہ تنگ دست ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ بڑی سمائی رکھنے والا اور علم والا ہے۔"

تفہیم القرآن کی مثال

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی "تفہیم القرآن" اردو تفسیر کی مشہور کتاب ہے۔ مگر اس میں کثرت سے ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن میں "رجسٹر" سے انحراف کیا گیا ہے۔ ذیل میں ہم تفہیم القرآن سے کچھ مثالیں پیش کریں گے۔

۱۔ سورہ نساء (آیت ۱۵۷) میں یہود کے بارہ میں ارشاد ہوا ہے کہ وہ خود کہتے ہیں کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ کو قتل کیا ہے۔ اس آیت کے تحت تفہیم القرآن میں جو حاشیہ ہے اس کا ایک فقرہ یہ ہے:

"(حضرت یحییٰ) نے دربار کی برائیوں پر تنقید کی تو اسے برداشت نہ کیا گیا۔ پہلے جیل بھیجے گئے۔ اور پھر والیٔ ریاست کی معشوقہ کے مطالبے پر ان کا سر قلم کر دیا گیا۔

یہودیوں کے اس ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ انھوں نے اپنے زعم میں مسیح کو سولی پر چڑھانے کے بعد سینے پر ہاتھ مار کر کہا ہو کہ ہم نے اللہ کے رسول کو قتل کیا ہے۔"

۲۔ سورہ ابراہیم میں قیامت کا بیان ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد ہوا ہے کہ

اور جب (قیامت میں) معاملہ کا فیصلہ ہو جائے گا تو شیطان کہے گا کہ بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے تم سے وعدہ کیا تو میں نے اس کے خلاف کیا۔ اور مجھے تمہارے اوپر کوئی اختیار نہ تھا۔ میں نے تم کو بلایا تو تم نے میری بات مان لی۔ اب مجھ کو ملامت نہ کرو اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ میں خود اس سے بیزار ہوں کہ تم اس سے قبل مجھ کو شریک ٹھیراتے تھے۔ یقیناً ظالموں کے لیے دردناک سزا ہے (ابراہیم ۲۲)

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے صاحب تفہیم نے حسب ذیل الفاظ لکھے ہیں:

"(شیطان اپنے پیرؤوں سے کہے گا کہ) اگر آپ حضرات ایسا کوئی ثبوت رکھتے ہوں کہ آپ خود راہِ راست پر چلنا چاہتے تھے اور میں نے زبردستی آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو غلط راستہ پر کھینچ لیا تو ضرور اسے پیش فرمائیے۔ جو چور کی سزا سو میری --- اپنی اس دعوت کا ذمہ دار تو بلاشبہ میں خود ہوں اور اس کی سزا بھی پا رہا ہوں۔ مگر آپ نے جو اس پر لبیک کہا اس کی ذمہ داری آپ مجھ پر کہاں ڈالنے چلے ہیں۔ اپنے غلط انتخاب اور اپنے اختیار کے غلط استعمال کی ذمہ داری تو آپ کو خود ہی اٹھانی چاہیے۔"

۳۔ سورہ نحل (آیت ۲۸) میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن اہل کفر اپنے کو بے سہارا پائیں گے تو وہ سرکشی چھوڑ کر اطاعت ظاہر کرنے لگیں گے اور کہیں گے ہم تو کوئی برائی نہیں کرتے تھے۔ اس آیت کی تشریح تفہیم القرآن میں ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"کفار کی روحیں جب قبض کی جاتی ہیں تو وہ موت کی سرحد کے پار کا حال بالکل اپنی توقعات کے خلاف پا کر سراسیمہ ہو جاتی ہیں اور فوراً سلام ٹھونک کر ملائکہ کو یقین دلانے کی کوشش کرتی ہیں کہ ہم کوئی برا کام نہیں کر رہے تھے۔ جواب میں ملائکہ ان کو ڈانٹ

بتاتے ہیں اور جہنّم داخل ہونے کی پیشگی خبر دیتے ہیں "۔

۴۔ تفہیم القرآن میں سورہ روم کے دیباچہ میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح ایسا ہوا کہ رومیوں کے اوپر ایرانیوں نے فتح حاصل کی۔ اس کے بعد حالات بدلے اور دوبارہ رومیوں کا ایرانیوں کے اوپر غلبہ ہوگیا۔ اس سلسلے میں پڑھنے والوں کو حسب ذیل فقرہ ملتا ہے :

"اس وقت سلطنت روم پر ایران کے غلبے کا چرچا ہر زبان پر تھا۔ مکّہ کے مشرکین اس پر بغلیں بجا رہے تھے اور مسلمانوں سے کہتے تھے کہ دیکھو ایران کے آتش پرست فتح پا رہے ہیں اور وحی و رسالت کے ماننے والے عیسائی شکست پر شکست کھاتے چلے جا رہے ہیں۔ اسی طرح ہم عرب کے بُت پرست بھی تمہیں اور تمہارے دین کو مٹا کر رکھ دیں گے "

۵۔ سورہ الحج (آیت ۱۱) میں منافقانہ طور پر اسلام کو اختیار کرنے والوں کا ذکر ہے۔ وہ کنارہ پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر فائدہ کی امید ہو تو ٹھیرے رہتے ہیں اور اگر کوئی مصیبت دیکھتے ہیں تو فوراً واپس چلے جاتے ہیں۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"یعنی دائرہ دین کے وسط میں نہیں بلکہ کنارے پر، یا بالفاظ دیگر کفر و اسلام کی سرحد پر کھڑا ہو کر بندگی کرتا ہے۔ جیسے ایک مذبذب آدمی کسی فوج کے کنارہ پر کھڑا ہو۔ اگر فتح ہوتی دیکھے تو ساتھ آملے۔ اور شکست ہوتی دیکھے تو چپکے سے سٹک جائے۔"

۶۔ سورہ المومنون (آیت ۶۴) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"یہ لفظ یہاں محض فریاد و فغاں کے معنی میں نہیں بلکہ اس شخص کی فریاد و فغاں کے معنی میں بولا گیا ہے جو کسی رحم کا مستحق نہ ہو۔ اس میں تحقیر اور طنز کا انداز چھپا ہوا ہے۔ اس کے اندر یہ معنی پوشیدہ ہیں کہ اچھا، اب جو اپنے کرتوتوں کا مزا چکھنے کی نوبت آئی تو بلبلانے لگے "

۷۔ سورہ المومنون (آیت ۱۰۰-۹۹) کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے :

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے گی تو کہنا شروع کرے گا کہ اے میرے رب، مجھے اسی دنیا میں واپس بھیج دیجئے جسے میں چھوڑ آیا ہوں۔ امید ہے کہ اب میں نیک عمل کروں گا۔ ہرگز نہیں، یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ بک رہا ہے "

۸۔ سورہ الحج کی آیت ۳۶ قربانی کے جانوروں کے بارہ میں ہے۔ اس کی تشریح کرتے

ہوئے لکھتے ہیں کہ عرب کے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ہدی کے جانوروں کو بیت اللہ کی طرف لے جانے لگیں تو ان پر سواری کرنا یا اور کسی شکل میں ان کو استعمال کرنا جائز نہیں۔ مگر قرآن نے بتایا کہ قربانی کی جگہ پہونچنے تک تم ان جانوروں سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ اس سلسلہ میں ایک حدیث ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں :

" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص اونٹ کی مہار تھامے پیدل چلا جا رہا ہے۔ اور سخت تکلیف میں ہے۔ آپ نے فرمایا اس پر سوار ہو جا۔ اس نے عرض کیا کہ یہ ھدی کا اونٹ ہے۔ آپ نے فرمایا : ارے سوار ہو جا "

۹- سورہ المومنون کی آیت ۴۷-۴۵ کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے :

پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور کھلی سند کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیانِ سلطنت کی طرف بھیجا۔ مگر انھوں نے تکبّر کیا اور بڑی دوں کی لی۔ کہنے لگے کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں۔ اور آدمی بھی وہ جس کی قوم ہماری بندی ہے۔"

۱۰- سورہ المومنون (آیت ۶۴-۶۳) میں دعوت رسالت کے منکرین کا ذکر ہے، اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے :

" مگر یہ لوگ اس معاملے سے بے خبر ہیں۔ اور ان کے اعمال بھی اس طریقہ سے مختلف ہیں۔ وہ اپنے یہ کرتوت کیے چلے جائیں گے یہاں تک کہ جب ہم ان کے عیّاشوں کو عذاب میں پکڑلیں گے تو پھر وہ ڈکرانا شروع کر دیں گے۔"

۱۱- تفہیم القرآن میں سورہ احزاب کے دیباچہ میں یہودی قبیلہ بنونضیر کا قصہ درج ہے اس میں ایک مقام پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں :

" جس روز انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی سازش کی اور اس کا راز فاش ہوا اسی روز آپؐ نے ان کو نوٹس دے دیا کہ دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جاؤ۔ اس کے بعد تم میں سے جو یہاں پایا جائے گا قتل کر دیا جائے گا۔ منافقین مدینہ کے سردار عبداللہؓ بن ابی نے ان کو تڑی دی کہ ڈٹ جاؤ اور مدینہ چھوڑنے سے انکار کر دو۔ میں دو ہزار آدمیوں کے ساتھ

تمہاری مدد کروں گا "

۱۲- سورہ حشر (آیت ۲) میں یہود کے قبیلہ بنونضیر کے اخراج کا ذکر ہے۔ اس آیت کے تحت مذکورہ تفسیر میں ایک مفصل حاشیہ درج ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

"یہودی اس دنیا میں ایک عجیب قوم ہے۔ اللہ کے رسولوں کو یہ جانتے ہوئے اس نے قتل کیا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اور فخر کے ساتھ سینہ ٹھوک کر اس نے کہا ہے کہ ہم نے اللہ کے رسول کو قتل کیا "

۱۳- سورہ لیل (آیت ۱۰) کے تحت ایک مفصل حاشیہ ہے جس میں حسب ذیل الفاظ ملتے ہیں:

" اور یہ جو فرمایا گیا کہ ایسے کو ہم سخت راستہ پر چلنے کی سہولت دیں گے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سے بھلائی کے راستے پر چلنے کی توفیق سلب کر لی جائے گی --- بدی کرنا اس کے لیے آسان ہوگا اور نیکی کرنے کے خیال سے اس کو یوں محسوس ہوگا کہ جیسے اس کی جان پر بن رہی ہے۔ دوسری جگہ قرآن میں ---- منافقین کے متعلق فرمایا کہ وہ نماز کی طرف آتے بھی ہیں تو کسمساتے ہوئے آتے ہیں ----- اور یہ کہ ان میں ایسے ایسے لوگ موجود ہیں جو راہِ خدا میں کچھ خرچ کرتے ہیں تو اسے اپنے اوپر زبردستی کی چٹی سمجھتے ہیں (التوبہ ۹۸)

۱۴- سورہ النور (آیت ۳۱) کی تشریح کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ "عورتوں کے لیے بھی غض بصر کے احکام وہی ہیں جو مردوں کے لیے ہیں۔ لیکن مرد کے عورت کو دیکھنے کی بہ نسبت عورت کے مرد کو دیکھنے کے معاملہ میں احکام تھوڑے سے مختلف ہیں" اس کے بعد دور صحابہ کے کچھ واقعات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"شوکانی نیل الاوطار میں ابن حجر کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ عورتوں کے باہر نکلنے کے معاملہ میں ہمیشہ جواز ہی پر عمل رہا ہے۔ مسجدوں میں، بازاروں میں اور سفروں میں عورتیں تو نقاب منہ پر ڈال کر جاتی تھیں کہ مرد ان کو نہ دیکھیں۔ مگر مردوں کو کبھی یہ حکم نہیں دیا گیا کہ وہ بھی نقاب اوڑھیں تاکہ عورتیں ان کو نہ دیکھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے معاملہ میں حکم مختلف ہے (جلد ۶، صفحہ ۱۰۱) تاہم یہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کہ عورتیں

اطمینان سے مردوں کو گھوریں اور ان کے حسن سے آنکھیں سینکیں "

۱۵۔ سورہ النور (آیت ۶۳) کا ترجمہ تفہیم القرآن میں اس طرح کیا گیا ہے :

" مسلمانو ، اپنے درمیان رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کا بلانا نہ سمجھ بیٹھو۔ اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں ایسے ہیں کہ ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے چپکے سے سٹک جاتے ہیں۔ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنہ میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے "

۱۶۔ سورہ النور (آیت ۶۱) میں ارشاد ہوا ہے کہ " تمہارے اوپر اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ ۔۔۔۔۔۔ یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھاؤ " اس کی تشریح کرتے ہوئے صاحب تفہیم نے یہ الفاظ لکھے ہیں :

" ان میں سے کسی کے ہاں کھانے کے لیے اِس طرح کی شرطوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ صاحب خانہ باقاعدہ اجازت دے تو کھائیں ورنہ خیانت ہوگی۔ آدمی اگر ان میں سے کسی کے ہاں جائے اور گھر کا مالک موجود نہ ہو اور اس کے بیوی بچے کھانے کو کچھ پیش کریں تو بے تکلف کھایا جاسکتا ہے ۔۔۔۔ دوستوں کے معاملہ میں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ان سے مراد بے تکلف اور جگری دوست ہیں جن کی غیر موجودگی میں اگر یار لوگ ان کا حلوا اڑا جائیں تو ناگوار گزرنا تو درکنار انھیں اس پر الٹی خوشی ہو "

۱۷۔ سورہ الفرقان (آیت ۷) میں ہے کہ مکہ کے منکرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کہتے تھے کہ " یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے " اس کی تشریح کرتے ہوئے صاحب تفہیم لکھتے ہیں :

" اگر آدمی ہی رسول بنایا گیا تھا تو کم از کم وہ بادشاہوں اور دنیا کے بڑے لوگوں کی طرح ایک بلند پایہ ہستی ہونا چاہیے تھا جسے دیکھنے کے لیے آنکھیں ترستیں اور جس کے حضور باریابی کا شرف بڑی کوششوں سے کسی کو نصیب ہوتا۔ نہ یہ کہ ایک ایسا عام آدمی خداوند عالم کا پیغمبر بنا دیا جائے جو بازاروں میں جوتیاں چٹخاتا پھرتا ہو "

۱۸۔ سورہ الشعراء (آیت ۱۴۸) کی تشریح کے تحت لکھتے ہیں :

"حضرت موسیٰ نے قومِ فرعون کے ایک شخص کو ایک اسرائیلی سے لڑتے دیکھ کر ایک گھونسا مار دیا تھا جس سے وہ مر گیا۔ پھر جب حضرت موسیٰ کو معلوم ہوا کہ اس واقعہ کی اطلاع قومِ فرعون کے لوگوں کو ہو گئی ہے اور وہ بدلہ لینے کی تیاری کر رہے ہیں تو وہ ملک چھوڑ کر مدین کی طرف فرار ہو گیے تھے۔ اب جو آٹھ دس سال کی روپوشی کے بعد یکایک انھیں یہ حکم دیا گیا کہ تم پیغام رسالت لے کر اسی فرعون کے دربار میں جا کھڑے ہو جس کے ہاں تمہارے خلاف قتل کا مقدمہ پہلے سے موجود ہے تو حضرت موسیٰ کو بجا طور پر یہ خطرہ ہوا کہ پیغام سنانے کی نوبت آنے سے پہلے ہی وہ تو مجھے اس قتل کے الزام میں پھانس لے گا"

۱۹۔ سورہ لقمان (آیت ۳۲) میں ارشاد ہوا ہے کہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب ان کی کشتی سمندر کے طوفان میں گھر جاتی ہے تو وہ یکسو ہو کر خدا کو پکارنے لگتے ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ ان کی کشتی کو طوفان سے بچا کر ساحل پر پہونچا دیتا ہے تو وہ دوبارہ غافل اور سرکش بن جاتے ہیں۔ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے صاحب تفہیم القرآن لکھتے ہیں :

"وہ خطرے کا وقت ٹل جانے کے بعد بے تکلف اپنے کفر، اپنی دہریت اور اپنے شرک کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں مانتے کہ انھوں نے طوفان کی حالت میں خدا کے ہونے اور ایک ہی خدا کے ہونے کی کچھ نشانیاں خارج میں بھی اور اپنے نفس میں بھی پالی تھیں اور ان کا خدا کو پکارنا اسی وجدان حقیقت کا نتیجہ تھا۔ ان میں سے جو دہریے ہیں وہ اپنے اس فعل کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ وہ تو ایک کمزوری تھی جو بحالت اضطراب ہم سے سرزد ہو گئی۔ ورنہ درحقیقت خدا وا کوئی نہ تھا جس نے ہمیں طوفان سے بچایا ہو۔ ہم تو فلاں فلاں اسباب و ذرائع سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔"

۲۰۔ سورہ احزاب (آیت ۳۳) میں ازواج رسول کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ تم لوگ گھروں میں وقار کے ساتھ رہو اور تبرج جاہلیت کا طریقہ مت اختیار کرو۔ اس سلسلہ میں صاحب تفہیم اپنے تفسیری نوٹ میں لکھتے ہیں :

"عورت کے لیے جب لفظ تبرّج استعمال کیا جائے تو اس کے تین مطلب ہوں گے۔ ایک یہ کہ وہ اپنے چہرے اور جسم کا حسن لوگوں کو دکھائے۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے لباس اور زیور کی شان

دوسروں کے سامنے نمایاں کرے۔ تیسرے یہ کہ وہ اپنی چال ڈھال اور چٹک مٹک سے اپنے آپ کو نمایاں کرے۔"

۲۱۔ سورہ حم السجدہ کے دیباچہ میں صاحب تفہیم نے سورہ کے موضوع اور مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

بڑا ہی بدقسمت ہے وہ انسان جس کے ساتھ ایسے شیاطین جن و انس لگ جائیں جو اُسے ہر طرف ہرا ہی ہرا دکھاتے رہیں۔ اس کی حماقتوں کو اس کے سامنے خوشنما بنا کر پیش کریں اور اسے کبھی نہ خود صحیح بات سوچنے دیں نہ کسی دوسرے سے سننے دیں۔ اس طرح کے نادان لوگ آج تو یہاں ایک دوسرے کو بڑھاوے چڑھاوے دے رہے ہیں اور ہر ایک دوسرے کی شہہ پا کر نہلے پر دہلا مار رہا ہے۔ مگر قیامت کے روز جب شامت آئے گی تو ان میں سے ہر ایک کہے گا کہ جن لوگوں نے مجھے بہکایا تھا وہ میرے ہاتھ لگ جائیں تو انھیں پاؤں تلے روند ڈالوں گا۔"

اوپر جو اقتباسات نقل کیے گیے ہیں ان میں نشان زد جملوں پر غور کیجیے۔ یہ جملے اگرچہ قواعد کی رو سے درست ہیں مگر اُسلوب کے اعتبار سے یقیناً وہ موزوں نہیں۔ یہ بازار میں بولی جانے والی زبان ہے نہ کہ وہ زبان جو قرآن کی تفسیر میں لکھی جائے۔

ڈکشنری میں اگرچہ تمام الفاظ ایک ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ مگر جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، استعمال کے اعتبار سے الفاظ کا الگ الگ "رجسٹر" ہوتا ہے۔ آدمی جس موضوع پر لکھ رہا ہو، اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اسی موضوع کے رجسٹر سے وہ اس کے مطابق الفاظ کا انتخاب کرے۔ مذکورہ اقتباسات بتاتے ہیں کہ تفہیم القرآن کے مصنف اگرچہ تفسیر قرآن کے موضوع پر لکھ رہے تھے مگر متعدد مقامات پر انھوں نے ایسے غیر متعلق رجسٹر سے الفاظ لے لیے جو تفسیر کے مقدس موضوع سے مناسبت نہیں رکھتے تھے۔

(باقی)

ایک سفر

۶ اپریل ۱۹۸۵ کی شام کو ۱۰ بجے میں دہلی میں اپنے کمرہ میں تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ رسیور اٹھایا تو معلوم ہوا کہ پونہ سے جناب عبدالصمد شیخ بول رہے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ بمبئی کے احباب سے بمبئی میں اجتماع کے لیے مشورہ ہوا ہے۔ انھوں نے اجتماع کے لیے ۸-۹-۱۰-۱۱ مئی ۱۹۸۵ کی تاریخیں تجویز کی ہیں۔ میں نے کہا کہ اگر یہ تاریخیں بہت ضروری نہ ہوں تو آپ اسی مہینہ کے اگلے ہفتے میں ۱۶-۱۷-۱۸-۱۹ مئی کی تاریخیں رکھ لیں۔

اس مختصر گفتگو کے بعد ٹیلی فون بند کر دیا گیا۔ صرف پانچ منٹ بعد پھر ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ دوبارہ عبدالصمد صاحب پونہ سے بول رہے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ میں نے ابھی بمبئی سے ٹیلی فون پر بات کی ہے۔ وہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہاں ہم کو تاریخوں میں تبدیلی منظور ہے۔ اس لیے ۱۶-۱۷-۱۸-۱۹ مئی کی تاریخوں کو قطعی صورت دیدی جائے۔

دہلی سے بمبئی کا فاصلہ سولہ سو کیلومیٹر ہے۔ دہلی سے پونہ بھی تقریباً اتنے ہی فاصلہ پر واقع ہے۔ دور جدید کی خدائی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ دہلی اور پونہ اور بمبئی کے درمیان مشورہ کے ذریعہ ایک اجتماع کا پروگرام طے ہو۔ اور براہ راست متعلقہ افراد سے گفتگو کرکے اسے آخری شکل دی جائے اور یہ سب کچھ صرف پانچ منٹ میں انجام پا جائے۔ ٹیلی فون اور پھر براہ راست ڈائلنگ کے نظام نے اس دور میں مواصلات کو کتنا آسان بنا دیا ہے۔

اس کے بعد ۱۶ مئی ۱۹۸۵ کو جب میں صبح نو بجے بذریعہ ہوائی جہاز دہلی سے روانہ ہوا اور سولہ سو کیلومیٹر کی دوری طے کرکے صرف ایک گھنٹہ ۴۵ منٹ میں بمبئی اتر گیا تو میں نے اپنے دل میں سوچا کہ موجودہ زمانہ میں خدا نے کیوں ایسا کیا کہ فاصلوں کا خاتمہ کر دیا۔ پوری دنیا کو ایک گھر کی طرح بنا دیا گیا کہ ہر وقت دوسرے سے ربط قائم کیا جاسکے۔ ہر وقت دوسرے تک پہونچنا ممکن ہو۔

دوبارہ میرے دل نے جواب دیا کہ یہ عظیم الشان نعمت ہم کو پیغمبر آخر الزماں کی بعثت کے طفیل میں حاصل ہوئی ہے۔ آپ کی بعثت سارے عالم کے لیے ہے (لیکون للعالمین نذیرا)

آپ کی لائی ہوئی ہدایت کو تمام دنیا کے انسانوں تک پہونچنا ہے۔ اس لیے آپ کی بعثت کے بعد آنے والے دور میں خدا نے سفر اور پیغام رسانی کے معاملہ کو انتہائی سریع بنا دیا تاکہ آپ کے امتی ان کو استعمال کرکے آپ کی ہدایت کو بسہولت سارے عالم تک پہونچا سکیں۔ ان تیز رفتار مواصلاتی ذرائع کے دنیوی فائدے بھی ہیں۔ مگر وہ مزید عنایت کے طور پر حاصل ہوئے ہیں نہ کہ انھیں دنیوی فائدوں کے لیے یہ ذرائع کھولے گیے ہیں۔

بمبئی ہندستان کی تجارتی راجدھانی ہے۔ بمبئی اتنا بڑا ہے کہ وہ بذات خود ایک ملک معلوم ہوتا ہے۔ بمبئی کے حجم کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہاں ۲۰ لاکھ انڈے روزانہ کھائے جاتے ہیں۔ خوش قسمتی سے بمبئی میں مسلمان نسبتاً کافی اچھی حالت میں ہیں۔ یہاں ان کی معقول تعداد آباد ہے۔ تجارتوں میں وہ قابل لحاظ حیثیت رکھتے ہیں۔ بڑی تعداد میں ان کے تعلیمی اور سماجی ادارے اور کالج اور اسپتال قائم ہیں۔ وغیرہ

ایک صاحب نے فرمایا کہ بمبئی کے مسلمانوں کے پاس سب کچھ ہے۔ مگر ان کی کمی یہ ہے کہ ان کی کوئی لیڈرشپ نہیں۔ اسی کمی کا یہ نتیجہ ہے کہ یہاں انفرادی سطح پر جو مواقع انھیں حاصل ہیں، ان کے لحاظ سے وہ اجتماعی کامیابی اپنے لیے حاصل نہ کرسکے۔ میں نے کہا کہ آپ سمجھتے ہیں کہ لیڈر نہیں اس لیے لیڈرشپ نہیں۔ مگر بات اس کے بالکل برعکس ہے۔ اصل یہ ہے کہ مسلمانوں کی خودسری انھیں کسی لیڈرشپ کو قبول نہیں کرنے دیتی۔ اسی لیے ان کا کوئی لیڈر بھی نہیں ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان موجودہ زمانہ میں سب سے زیادہ خودسر قوم بن گیے ہیں۔ اور یہی ان کے درمیان کوئی حقیقی لیڈرشپ پیدا نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

مسلمان صرف اس لیڈر کا ساتھ دے سکتے ہیں جو ان کا ساتھ دے۔ جو لیڈر ان کی خواہشات کا ساتھ نہ دے، مسلمان بھی اس کو اپنا لیڈر بنانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ قریبی ماضی کی تاریخ اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

بمبئی کی آبادی تقریباً ۸۰ لاکھ ہے۔ اس میں ایک تہائی مہاراشٹری ہیں اور دو تہائی بیرونی ریاستوں کے لوگ ہیں۔ مسلمان تقریباً ۲۰ فی صد ہیں۔ تاہم "جھگی جھونپڑی" کے باشندوں

میں ان کا تناسب ۵۰ فی صد تک پہونچ جاتا ہے۔

بمبئی ایک صنعتی شہر ہے۔ مگر یہاں کی صنعتوں میں مسلمانوں کا حصہ غالباً ایک فی صد سے بھی کم ہوگا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ان کی یہ کمی ہے کہ وہ مل کر کام نہیں کر سکتے۔ جدید دَور کی صنعت مشترکہ سرمایہ پر قائم ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے پاس الگ الگ اتنا سرمایہ ہے کہ اگر وہ جمع ہو سکے تو بہت بڑی بڑی صنعتیں قائم کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے، مگر مشترکہ کام کرنے کے لیے برداشت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی وہ صفت ہے جس کو آج مسلمان سب سے زیادہ کھوئے ہوئے ہیں۔

ایک صاحب نے کہا کہ مشترکہ سرمایہ کی کمپنیوں میں مسلمانوں کا کم حصہ ہونے کی وجہ اسلام کے قوانین ہیں۔ اسلام میں سود حرام ہے حالانکہ سود ہی کی بنیاد پر بنک قائم ہوتے ہیں اور بنک سے سودی رقم لے کر تمام بڑی بڑی کمپنیاں شروع ہوتی ہیں۔ مسلمان سودی قرض کو حرام سمجھتے ہیں اسی لیے وہ بڑے کارخانے بھی قائم نہیں کر پاتے۔

میں نے کہا کہ یہ صحیح ہے کہ سود اسلام میں حرام ہے مگر امداد باہمی کی انجمن (کوآپریٹیو سوسائٹی) بنانا تو حرام نہیں۔ پھر مسلمان ایسا کیوں نہیں کرتے کہ امداد باہمی کی انجمنوں میں اپنی رقمیں جمع کریں اور اس کے ذریعہ سے مشترکہ سرمایہ کی کمپنیاں قائم کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی صنعتی پسماندگی کی وجہ ان کی بے اتحادی ہے نہ کہ سود کا مسئلہ۔

آج ہر جگہ مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ معمولی سی خلاف مزاج بات پر بے برداشت ہو جاتے ہیں۔ زندگی برداشت کا امتحان ہے اور برداشت کا سرمایہ ان کے پاس موجود نہیں۔ مسلمانوں کی "مظلومی" ان کے بے برداشت ہونے کی قیمت ہے جس کو آج وہ ساری دنیا میں بھگت رہے ہیں۔ اور ان کی یہی کمی ہے جو ان کے لیے جدید صنعتی دنیا میں داخلہ میں رکاوٹ بن گئی۔

بمبئی کی یہ خصوصیت ہے کہ یہاں ایک مسلمان عبد الرحمٰن انتولے کو ریاست کا وزیر اعلیٰ (۱۹۸۰ــ ۸۳) بننے کا موقع ملا۔ عام طور پر لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا دور نہایت اچھا تھا۔ انھوں نے بہت سے مفید کام کیے۔ انھوں نے راتوں کو جُوا، شراب وغیرہ کے اڈوں پر چھاپہ

مارا ۔ اس طرح کی ایک خبر انڈین اکسپرس نے اس سرخی کے ساتھ شائع کی تھی کہ بمبئی کا ہارون رشید !

Haroon Rasheed of Bombay

مگر جلد ہی عبد الرحمن انتولے صاحب پر زوال آگیا۔ جہاں تک میں نے معلومات کیں، وہ ایک لائق اور با صلاحیت آدمی ہیں۔ ان کی خدمات کا لوگوں کو اعتراف ہے ۔ مگر ان کو غالباً اپنے اوپر ضرورت سے زیادہ اعتماد (Over-confidence) ہو گیا ۔ اور یہی چیز ان کے زوال کا سبب بن گئی ——— اپنے آپ کو کم سمجھنا اگر مضر ہے تو اپنے آپ کو زیادہ سمجھنا ہلاکت کا باعث ہو جاتا ہے ۔

تاریخ انسانی کا یہ عجوبہ ہے کہ مسلمانوں کو جن لوگوں سے شکایت ہوتی ہے، وہ اپنے عمل سے خود ان لوگوں کی تقویت کا ذریعہ بن جاتے ہیں ۔ مسلمانوں کو اکثریتی فرقہ کی طرف سے معاشی ظلم کی شکایت ہے ۔ مگر دوسری طرف یہی مسلمان اپنے بڑھے ہوئے اسراف کی بنا پر ان کے معاشی استحصال کا شکار ہو رہے ہیں ۔ شادیوں، جشنوں اور تقریبات میں خرچ کیا ہوا بے حساب سرمایہ ہر روز وہ انھیں لوگوں کے جیبوں میں ڈال رہے ہیں جن کو وہ معاشی ظالم قرار دے کر ان کے خلاف چیخ پکار کر رہے ہیں ۔

بمبئی میں آپ کسی مسلمان سے گفتگو کریں تو وہ ہمیشہ شیو سینا کی شکایت کرتا ہوا ملے گا ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ خود مسلمان ہیں جو شیو سینا کی تقویت کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں ۔ مسلمان اگر شیو سینا اور اس طرح کے دوسرے فرقہ پرست گروہوں کو یکسر نظر انداز کر دیں تو یقینی ہے کہ وہ اپنی موت آپ مر جائیں گے ۔ بعض اوقات دشمن کی موت دشمن کو نظر انداز کرنے میں ہوتی ہے مگر افسوس کہ مسلمان اس راز کو نہیں جانتے ۔

بمبئی کارپوریشن کے الکشن (اپریل ۱۹۸۵) میں شیو سینا بڑی اکثریت سے کامیاب ہوئی ہے ۔ شیو سینا کو ووٹروں کی کل تعداد کا صرف ۲۳ فی صد ملا ۔ اس کے باوجود اس کی غیر معمولی کامیابی کا کم از کم ایک سبب وہی مسلمان تھے جو شیو سینا کے سب سے زیادہ نشانہ بنے ہوئے ہیں ۔

یہاں متعدد ایسے حلقۂ انتخاب ہیں جن میں مسلم ووٹوں کی اکثریت ہے۔ مثلاً عمر کھاڑی اس حلقہ میں کل تیس ہزار ووٹر ہیں جن میں تقریباً ۲۰ ہزار مسلمان ہیں۔ مگر سننے والے تعجب کریں گے کہ مسلم اکثریت کے اس علاقہ میں بھی جو شخص کامیاب ہوا وہ شیوسینا کا امیدوار تھا۔ یہ عجوبہ کیسے ہوا۔ مسلمانوں کے باہمی اختلاف کی وجہ سے۔ عمر کھاڑی کے حلقۂ انتخاب میں پانچ مسلمان امیدوار بن کر کھڑے ہوگئے۔ دوسری طرف شیوسینا کا امیدوار صرف ایک تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم ووٹ پانچ جگہ بٹ گیے اور شیوسینا کو اس کے تمام ووٹ محفوظ طور پر ملے۔ ووٹوں کی اس تقسیم کی وجہ سے پانچوں مسلم امیدوار ہار گیے اور شیوسینا کا امیدوار جیت گیا۔

مسلمان جہاں اقلیت میں ہیں وہاں مسلم اور غیر مسلم کا مسئلہ پیدا کر کے وہ اپنے کو کم کر لیتے ہیں اور جہاں وہ اکثریت میں ہیں وہاں ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر خود اپنے ہاتھوں اپنے کو کم کیے ہوئے ہیں۔

بمبئی میں پروگرام

۱۶ مئی ۱۹۸۵	بعد نماز مغرب	خطاب بمقام رتن بائی ہال
۱۷ مئی	صبح ۱۰ بجے	خواتین سے خطاب، جامعہ اصلاح البنات
	نماز جمعہ سے پہلے	باندرہ کی جامع مسجد میں خطاب
	۳ بجے	مسٹر جی ایم صدیقی کے مکان پر سوال وجواب کی نشست
	بعد نماز مغرب	باندرہ اردو، ہائی اسکول میں خطاب
	بعد نماز عشار	سوال وجواب کی نشست باندرہ اسکول میں
۱۸ مئی	۱۲ بجے	پریس کانفرنس ریڈیو کلب میں
	۴ بجے شام	اکبر پیر بھائی ہال میں خطاب
	بعد نماز عشار	گورنمنٹ کالونی باندرہ میں خطاب
۱۹ مئی	۱۱ بجے	مہاراشٹر کالج ہال میں خطاب

بمبئی میں بڑی تعداد میں الرسالہ (اردو، انگریزی) آتا ہے۔ کتابیں بھی کافی پھیلی ہیں۔ اب کچھ لوگوں نے یہ پروگرام بنایا ہے کہ بڑی تعداد میں غیر مسلموں میں سنجیدہ اور تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک فہرست بنائی جائے اور ان کو اپنی طرف سے الرسالہ انگریزی جاری کرایا جائے۔ یہ ایک بے حد اہم کام ہے۔ اور اس کو ہر جگہ کیا جانا چاہیے۔ الرسالہ (انگریزی) پوری مسلم دنیا میں واحد اسلامی پرچہ ہے جو خالص دعوتی انداز میں نکل رہا ہے اور اس کی زبان بھی خدا کے فضل سے نہایت اعلیٰ ہوتی ہے۔ بین اقوامی زبان میں ایسے ایک دعوتی پرچہ کا وجود میں آجانا مسلمانوں پر زبردست ذمہ داری عائد کرتا ہے۔ اب یہ مسلمانوں کی اپنی ذمہ داری ہے کہ اس پرچہ کو غیر مسلم حضرات تک پہونچائیں، خواہ ڈاک کے ذریعہ یا دستی طور پر ملاقات کے ذریعہ۔ ایسا نہ کرنا اپنی ذمہ داری میں زبردست کوتاہی کے ہم معنی ہے۔

اجتماعات ۱۶ مئی سے ۱۹ مئی تک مختلف مقامات پر ہوتے رہے۔ ہر جگہ مرکز کی کتابوں کا ایک اسٹال بھی لگایا جاتا رہا۔ اسٹال توقع سے زیادہ کامیاب رہا۔ کتابوں کی خریداری کے علاوہ لوگوں نے الرسالہ کی ایجنسی میں اپنے نام لکھائے اور اس کی خریداری قبول کی۔ ایک صاحب نے پچاس الرسالہ (۲۵ اردو، ۲۵ انگریزی) سے ایجنسی شروع کی۔

بمبئی کے اجتماعات خدا کے فضل سے کافی کامیاب رہے۔ ہر پروگرام میں تعلیم یافتہ اور باشعور طبقہ بڑی تعداد میں شریک ہوتا رہا۔ ۱۷ مئی کی شام کو مغرب اور عشار کے درمیان باندرہ ہائی اسکول کے ہال میں تقریر تھی۔ تقریر جاری تھی کہ عشار کی اذان ہو گئی۔ اس کے آدھ گھنٹہ بعد عشار کی جماعت ہونے والی تھی۔ مزید ۲۰ منٹ بولنے کے بعد میں نے تقریر ختم کر دی۔ پورا مجمع کہنے لگا کہ ابھی تشنگی باقی ہے۔ اس لیے عشار کی نماز کے بعد دوبارہ تقریر ہو۔ تاہم میں نے اس کو پسند نہیں کیا اور عشار کے پہلے تقریر ختم کر دی۔ اس تقریر کا موضوع تھا "اسلامی دعوت کے جدید امکانات"

۱۹ مئی کو مہاراشٹر کالج کے ہال میں تقریر تھی۔ یہ تقریر خالص علمی اور تاریخی انداز کی تھی اور ڈھائی گھنٹہ تک مسلسل جاری رہی۔ اس کے باوجود پورا مجمع آخر تک انتہائی انہماک کے ساتھ سنتا رہا۔

۱۶ مئی ۱۹۸۵ کی شام کو بمبئی کے ایک ہال میں تقریر کا پروگرام تھا۔ یہ ہال ان لوگوں کا تھا جو اپنے آپ کو سُنّی مسلمان کہتے ہیں۔ ہال باقاعدہ بک کیا گیا۔ اس کا مقررہ کرایہ

ادا کر دیا گیا۔ ضروری کارروائیوں کی تکمیل کے بعد اجتماع سے ایک دن پہلے اس کا اعلان کر دیا گیا۔ جب ساری کارروائی ہو چکی تو اجتماع سے ۲۰ گھنٹے پہلے ہال کے ذمہ داروں نے مطلع کیا کہ آپ کو ہال نہیں دیا جا سکتا "کیوں کہ آپ کے مولانا صاحب جو دہلی سے آرہے ہیں وہ دیوبندی ہیں" منتظمین اجتماع نے کہا کہ یہ بات آپ کو پہلے بتانی چاہیے تھی۔ اب تو ہم اعلان کر چکے ہیں مگر کسی قسم کی اپیل منتظمین کے لیے کارگر نہ ہو سکی۔ بالآخر قریب کے ایک اور ہال میں اجتماع کا انتظام کیا گیا۔ ۱۶ مئی کی شام کو وہاں میری ایک گھنٹہ کی تقریر ہوئی۔ مذکورہ انتشار کے باوجود ہال پوری طرح بھرا ہوا تھا۔ بہت سے لوگ کرسیوں پر جگہ نہ پانے کی وجہ سے کھڑے ہوئے نظر آئے تاہم میں نے اپنی تقریر میں اس ناخوش گوار واقعہ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

۱۹ مئی کی دوپہر کو پریس کانفرنس ہوئی۔ یہ پریس کانفرنس ریڈیو کلب میں تھی۔ ریڈیو کلب یہاں کا ایک ممتاز ادارہ ہے جو سمندر کے کنارے ایک پُرفضا مقام پر واقع ہے۔ اخبارات کے اڈیٹروں اور نمائندوں کی قابل لحاظ تعداد جمع ہو گئی تھی۔ ابتداءً ان کے درمیان اسلامی مرکز کا انگریزی تعارف نامہ تقسیم کیا گیا۔ اس کے بعد میں نے مختصر طور پر خطاب کیا جس میں مرکز کے مقاصد کی وضاحت کی۔ آخر میں سوالات وجوابات ہوئے۔

سوالات وجوابات کا سلسلہ بہت دیر تک قائم رہا۔ تاہم یہ بات میرے لیے زیادہ خوشی کی نہ تھی کہ اکثر لوگ اس قسم کے سوالات پوچھتے رہے کہ مسلم پرسنل لا کے مسئلہ میں آپ کی رائے کیا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات کے بارہ میں آپ کیا کہتے ہیں۔ اردو اور مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کے بارہ میں آپ کا مرکز کیا کرنا چاہتا ہے۔

یہ سوچ کر مجھے بہت دکھ ہوا کہ اس ملک میں مسلمانوں نے اپنی جو تصویر بنائی ہے وہ بس یہ ہے کہ ان کے کچھ قومی اور مادی مسائل ہیں اور انھیں کے بارہ میں لکھنا اور بولنا سب سے بڑا مسلم مسئلہ ہے۔ مسلم مسئلہ کا یہ تصور ہلاکت خیز حد تک غلط ہے۔ مگر اس معاملہ میں ہم دوسروں کی شکایت نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ مسلمانوں کی یہ تصویر خود ہمارے اپنے لیڈروں کی بنائی ہوئی ہے نہ کہ کسی دوسرے کی۔

اس ملک میں مسلمانوں کی تصویر کیسی عجیب ہو کر رہ گئی ہے۔ میں نے سوچا کہ کاش یہاں

مجھ سے یہ سوال کیا جاتا کہ خدا کے بارہ میں اسلام کا تصور کیا ہے۔ آخرت کی اتنی زیادہ اہمیت اسلام میں کیوں ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم کیوں ہوگئی۔ انسان کی نجات صرف اسلام کو اختیار کرنے میں کیوں ہے۔

اس قسم کے سوالات کیوں نہیں کیے گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے موقع پر ہمیشہ دوسروں کی طرف سے وہی سوالات پیش آتے ہیں جو عملاً ماحول کے اندر چھڑے ہوئے ہوں۔ مسلمان چونکہ یہ نہیں کرتے کہ وہ توحید اور آخرت جیسے سوالات کو عوامی سطح پر ابھاریں۔ مسلمان اس حیثیت سے لوگوں کے سامنے آتے ہیں کہ وہ ایسا گروہ ہیں جن سے کچھ چھینا گیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس حیثیت سے متعارف نہیں کرتے کہ ان کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو دوسروں کو ان سے لینا چاہیے۔ وہ اس ملک میں صرف مانگنے والے گروہ بنے ہوئے ہیں۔ وہ دینے والے گروہ نہ بن سکے۔ ایسی حالت میں دوسرے بھی ان سے وہی سوال کرتے ہیں جو ایک کھوئے ہوئے گروہ سے کیا جاتا ہے۔ وہ ان سے وہ سوال نہیں کرتے جو ایسے گروہ سے کیا جاتا ہے جو کوئی چیز پائے ہوئے ہو۔

پریس کانفرنس میں ایک مسلم صحافی نے کہا کہ آپ ملت کی تعمیر کا جو طریقہ بتاتے ہیں وہ تو بہت دیر طلب ہے۔ اتنے دیر طلب طریقہ کو کیسے اختیار کیا جا سکتا ہے۔

میں نے کہا کہ آپ جیسے لوگوں کی مشکل یہ ہے کہ آپ لوگ ہمیشہ الٹا اہرام (Inverted pyramid) بناتے ہیں۔ آپ واقعہ کو سنسنی خیز بنانے کے لیے یہ کرتے ہیں کہ جب کوئی خبر مرتب کرتے ہیں تو اس کو الٹ دیتے ہیں۔ یعنی جو آخری بات ہے اس کو سب سے پہلے بیان کرتے ہیں۔ مگر الٹا اہرام صرف کاغذ کے صفحہ پر بنتا ہے۔ زمین پر کوئی حقیقی اہرام جب بھی بنے گا اسی طرح بنے گا کہ بنیاد سے کام شروع کر کے اس کو اس کی آخری چوٹی تک پہونچانے کی کوشش کی جائے۔

ہفتہ وار بلٹز (یکم جون ۱۹۸۵) نے بمبئی کی پریس کانفرنس پر جو نوٹ شائع کیا تھا وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

"مولانا وحید الدین خاں کو بھلا کون نہیں جانتا۔ "الرسالہ" جیسے دینی اور علمی پرچہ

سے انھوں نے سارے ہندستان میں دھوم مچا رکھی ہے۔ مولانا نے خاص طور سے عصر جدید، سائنس اور اسلام کے تعلق سے معرکۃ الآرا کتابیں لکھی ہیں۔ یہ بات بالکل پکّی ہے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر کتابیں آج تک نہیں لکھی گئیں۔ اسی لیے مولانا کی کتابیں اسلامی ممالک کے کئی یونیورسٹیوں اور کالجوں کے نصاب میں شامل کرلی گئی ہیں۔ نیز ان کا ترجمہ دنیا کی کئی زبانوں میں کیا جاچکا ہے۔ مولانا وحید الدین کی اپنی ایک سوچ ہے اور اپنا ایک اندازِ فکر ـــــ وہ ٹکراؤ کی پالیسی پر عمل نہیں کرتے۔ لیکن مصلحت پرستی کا شکار بھی نہیں۔ وہ اپنے پڑھنے والوں کی ہمت بڑھاتے ہیں حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے، زندگی کے تلخ و شیریں تجربات کا سامنا کرنے کے لیے۔

گذشتہ دنوں مولانا وحید الدین نے بمبئی میں ایک پریس کانفرنس کو خطاب کیا مولانا نے اپنے انوکھے مگر کارآمد مقصد کے حصول کے لیے ۱۹۷۰ء میں سی۔ ۲۹ نظام الدین، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳ میں اسلامک سنٹر کی بنیاد ڈالی تھی۔ اب مولانائے محترم نے اپنے مقبول ترین جریدے "الرسالہ" کو انگریزی کا روپ بھی دے دیا ہے تاکہ ان کا مشن تیز سے تیز تر ہوسکے "۔

بمبئی کے دوران قیام لوگ برابر ملتے رہے اور طرح طرح کے سوالات کرتے رہے۔ کچھ لوگوں نے کلکتہ ہائی کورٹ میں قرآن کے خلاف رٹ پٹیشن کا ذکر کیا۔ میں نے کہا کہ اس پٹیشن کو ہر حال میں خارج ہونا تھا۔ چنانچہ وہ ۱۳ مئی ۱۹۸۵ کو خارج کردی گئی۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی سوچ کامل طور پر منفی ہوگئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی واقعہ کے صرف منفی پہلو کو دیکھ پاتے ہیں۔ اس کی قیمت انھیں اس شکل میں مل رہی ہے کہ وہ بہت سے فائدوں سے مستقل طور پر محروم ہو کر رہ گئے ہیں۔

اس طرح کا واقعہ ہمیشہ لوگوں میں ایک تجسس ابھارتا ہے اور ایک نئی صورت حال پیدا کرتا ہے۔ اس صورت حال کو استعمال کرکے زبردست فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ مثلاً رٹ پٹیشن کا واقعہ ایک سنسنی خیز واقعہ تھا۔ اس سے لوگوں میں یہ سوال ابھرا کہ قرآن کی تعلیمات کیا ہیں۔ اس موقع پر اگر اچھے انداز میں اسلام کی تعلیمات پیش کی جاتیں تو لوگ بہت توجہ سے سنتے اور پڑھتے مگر ہمارے اسلامی لیڈر یہ کام نہ کرسکے۔ وہ اپنی منفی ذہنیت کی بنا پر صرف

احتجاج اور شکایت کرنے میں مشغول رہے ۔ صرف ایک صاحب کا مضمون سامنے آیا ۔ یہ ٹائمس آف انڈیا کی بمبئی اور نئی دہلی دونوں جگہ کی اشاعتوں میں تین قسطوں (۱۴ - ۱۵ - ۱۶ مئی ۱۹۸۵) میں چھپا ۔ اس کا عنوان تھا قرآن اور اس کا پیغام (The Quran And Its Message) مگر اس کے لکھنے والے کوئی عالم نہ تھے اس لیے وہ موضوع کی صحیح ترجمانی نہ کر سکے ۔ ان کے مضمون میں قرآن کی تعلیمات کو اس انداز میں پیش کیا گیا تھا گویا کہ قرآن وحدت ادیان کا حامی ہے ۔

یہ ایک بہترین موقع تھا کہ انگریزی ، ہندی ، بنگالی ، تامل ، تلگو ، ملیالم ، ہر زبان کے عوامی اخباروں میں اعلیٰ درجہ کے تعارفی مضامین شائع کیے جاتے ۔ مگر تمام مسلمان احتجاج میں مبتلا رہے اور یہ ضروری کام انجام نہ پاسکا ۔

۱۹ مئی ۱۹۸۵ کی سہ پہر کو نہرو پلانیٹیریم دیکھا ۔ نہرو پلانیٹیریم جب بنا تھا تو اس کے بارہ میں الرسالہ (فروری ۱۹۷۷) میں ایک مضمون شائع کیا گیا تھا ۔ اب اس کو دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا ۔ بمبئی کے ایک صاحب جو ہمارے قافلہ کے ساتھ تھے ، انھوں نے کہا کہ آج میں پہلی بار اس کو دیکھ رہا ہوں ۔ انھوں نے کہا کہ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ بمبئی کے پڑھے لکھے مسلمانوں میں شاید ۵ فی صد بھی نہ ہوں گے جنھوں نے اس پلانیٹیریم کو دیکھا ہو ۔ مسلمان یا تو حاجی علی کی درگاہ جاتے ہیں یا چوپاٹی جیسے تفریحی مقامات پر ۔

پلانیٹیریم میں وسیع کائنات کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے ۔ شمسی نظام اور ستاروں اور کہکشاؤں کی گردش کے مناظر دکھائے جاتے ہیں ، یہ ایک عجیب حیران کن تجربہ ہوتا ہے ۔ میں نے اس کو دیکھا تو وسیع کائنات میں بے شمار انتہائی بڑے بڑے اجسام کی گردش کے منظر نے دل کی عجیب کیفیت کر دی ۔ مجھے ایسا محسوس ہوا گویا کہ میں خدا کی ایک نئی صفت کو دریافت کر رہا ہوں یہ صفت میری اپنی زبان میں خود اعتمادی (Self-confidence) تھی ۔ میں نے سوچا کہ اتنے وسیع خلا میں اتنے بے شمار اجسام کو پیدا کر کے ان کو متحرک کرنا ایک بہت بڑا خطرہ مول لینا ہے ۔ کیوں کہ ہر آن یہ اندیشہ ہے کہ یہ اجسام آپس میں ٹکرا کر تباہ ہو جائیں ۔ ایسے حال میں کائنات کو پیدا کرنے کے لیے بے پناہ خود اعتمادی درکار تھی ۔ کیسا عجیب طاقتوں والا ہے وہ خدا جس نے اس عظیم کائنات کو پیدا کیا اور ان کو خلائی وسعتوں میں اس طرح متحرک کر دیا کہ اربہا ارب

سال گزر جانے کے باوجود کہیں کوئی مسئلہ پیش نہیں آیا۔

بمبئی سے واپسی کے بعد وہاں سے جو خطوط ملے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سفر خدا کے فضل سے کامیاب تھا۔ ایک صاحب بمبئی سے لکھتے ہیں :

" آپ کے بمبئی آنے سے جو بہار آئی تھی اس کا اثر آج بھی تمام ساتھی محسوس کر رہے ہیں اور پھر منتظر ہیں کہ موسم بہار جلد لوٹے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے اور آپ کا سایہ تا دیر ہم پر قائم رکھے تا کہ ایمانی حرارت پیدا کرنے کا کاز زیادہ سے زیادہ وسیع ہو سکے (۱۹ جولائی ۱۹۸۵)

وہاں کے لوگوں میں خدا کے فضل سے کام کی نئی لگن پیدا ہوئی۔ الرسالہ کی کئی بڑی ایجنسیاں قائم ہوئیں۔ روزنامہ انقلاب (۱۰ اگست ۱۹۸۵) کے ایک اعلان سے معلوم ہوا کہ "الرسالہ فرینڈس سرکل بمبئی" کی بنیاد ڈالی گئی ہے۔ جس نے بڑے پیمانہ پر کام کو پھیلانے کا نقشہ بنایا ہے۔ اس کا پہلا اجتماع ۱۰ اگست ۱۹۸۵ کو ڈونگری (بمبئی) میں ہوا۔

الرسالہ کیسٹ

صدر اسلامی مرکز کی آواز میں ماہانہ "الرسالہ کیسٹ" خدا کے فضل سے پابندی سے تیار ہو رہا ہے اور ہر ماہ خریداروں کے نام روانہ کیا جا رہا ہے۔ موجودہ منصوبہ کے مطابق دسمبر ۱۹۸۵ تک کے کیسٹ کی تفصیل حسب ذیل ہے :

کیسٹ نمبر	۱	ایمان
کیسٹ	۲	جدید امکانات
کیسٹ	۳	اسلامی اخلاق
کیسٹ	۴	اتحاد
کیسٹ	۵	تعمیر ملت

عنقریب ان شاء اللہ ان تمام کیسٹوں کی تقریریں کتاب کی صورت میں بھی شائع کر دی جائیں گی۔

خبرنامہ اسلامی مرکز ـ ۱۲

۱۔ جناب مفتی ثمین اشرف صاحب (مقیم سلالہ، مسقط) نے بتایا کہ جامعہ شنفری (سلالہ) کے خطیب شیخ محمد سعید مدکور (مصری) نے حالیہ رمضان سے پہلے جو خطبات دیئے ان میں مسلسل تین جمعہ کے خطبوں کا موضوع الاسلام یتحدیٰ تھا۔ انھوں نے الاسلام یتحدیٰ سے توحید اور اسلامی عقائد کے سائنسی دلائل کو لے کر تفصیل سے بیان کیا اور لوگوں کو اس عربی کتاب کے پڑھنے کی ترغیب دی ——— اس طرح کی خبریں مختلف عرب ممالک سے بار بار ملتی رہتی ہیں۔ یہ کتاب "مذہب اور جدید چیلنج" کا عربی ترجمہ ہے۔

۲۔ صدر اسلامی مرکز نے جولائی ۱۹۸۵ میں حیدر آباد کا سفر کیا۔ وہاں دو دن میں موصوف کی تین تقریریں ہوئیں۔ لوگ غیر معمولی طور پر بڑی تعداد میں ہر اجتماع میں شریک ہوئے۔ ان تقریروں کا ٹیپ مقامی طور کئی آدمیوں نے لیا۔ مرکز میں بھی ان تقریروں کا ٹیپ موجود ہے۔

۳۔ حسب ذیل کتابوں کے انگریزی ترجمے تیار ہیں۔ انشاء اللہ جلد ہی شائع کر دیئے جائیں گے۔ پیغمبر انقلاب، اسلام دین فطرت، تبلیغی تحریک، آخری سفر۔

۴۔ ۱۹ جولائی ۱۹۸۵ کو گول مارکیٹ (نئی دہلی) میں ایک اجتماع ہوا۔ اس میں سب اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد شریک تھے۔ صدر اسلامی مرکز نے بعض احادیث کی روشنی میں بتایا کہ اسلام کے تقاضے کیا ہیں۔ حاضرین کی تجویز پر طے ہوا کہ اس طرح کا اجتماع یہاں ہر ماہ کیا جائے۔ صدر اسلامی مرکز کی اس تقریر کا ٹیپ اسلامی مرکز میں محفوظ ہے۔

۵۔ ۲۸ جولائی ۱۹۸۵ (مہینہ کے آخری اتوار) کو حسب معمول مرکز میں ماہانہ درس قرآن کا اجتماع ہوا۔ اخبارات میں بھی اس کی اطلاع شائع ہوگئی تھی۔ انگریزی روزنامہ ہندستان ٹائمس (۲۸ جولائی ۱۹۸۵) نے اس کا اعلان حسب ذیل الفاظ میں شائع کیا تھا:

ISLAMIC CENTRE: Maulana Wahiduddin Khan, president of the Centre, to speak on the meanings of the Quran; C-29, Nizamuddin West; 7 p.m.

۶۔ نماز مغرب کے فوراً بعد مرکز کے بڑے کمرے میں اجتماع ہوا۔ صدر اسلامی مرکز نے سورہ الانشراح کی روشنی میں درس دیا۔ اس درس کا ٹیپ مرکز میں محفوظ ہے۔ انگریزی اخبارات

میں اعلان کی وجہ سے درس میں کئی غیر مسلم حضرات بھی شریک ہوئے۔

۷۔ " الامہ " عالم عرب کا مشہور مجلّہ ہے۔ اس نے اپنی اشاعت (ذوالقعدہ ۱۴۰۵ھ) میں ایک مقالہ شائع کیا ہے جس کا عنوان ہے " وحید الدین خان " اس مقالہ میں نہایت اعلیٰ انداز میں اسلامی مرکز اور اس کے صدر کی اسلامی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے۔ اس طرح کے مضامین عالم اسلام کے مختلف جرائد میں برابر شائع ہو رہے ہیں۔

۸۔ قاہرہ (مصر) سے اطلاع ملی ہے کہ صدر اسلامی مرکز کی تین مزید کتابوں کے عربی ترجمے شائع ہو گئے ہیں۔ یہ ترجمے مصری ادیبوں نے کیے ہیں جو کہ اردو زبان بخوبی جانتے ہیں۔ انھوں نے براہِ راست اردو سے عربی میں ترجمہ کیا ہے۔

۹۔ اگست کے مہینہ میں جو لوگ اسلامی مرکز میں تشریف لائے ان میں سے ایک حضرت پیر سعید میاں صاحب مجددی (بھوپال) تھے۔ حضرت ۱۰ اگست ۱۹۸۵ کو تشریف لائے اور دیر تک مرکز میں رہے۔ مرکز کے کاموں کو دیکھ کر بہت زیادہ خوشی کا اظہار فرمایا اور بار بار اس کے لیے دعائیں دیں۔

۱۰۔ ۱۶ اگست ۱۹۸۵ کی شام کو وسنت وہار (نئی دہلی) میں ایک نشست ہوئی۔ اس میں صدر اسلامی مرکز نے شرکت کی۔ اس نشست میں دینی موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ صدر اسلامی مرکز نے خاص طور پر اس پہلو کو نمایاں کیا کہ ہندستان میں اسلام کے لیے کام کرنے کے مکمل مواقع موجود ہیں۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ لوگوں میں مثبت نقطۂ نظر پیدا ہو جائے۔

۱۱۔ یہ طے کیا گیا ہے کہ ادارہ الرسالہ کی بعض کتابیں صدر اسلامی مرکز کی آواز میں ریکارڈ کرادی جائیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے " اسلامی زندگی " نامی کتاب کا انتخاب کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ پوری کتاب چند کیسٹوں کے سٹ کی صورت میں ریکارڈ کرائی جائے گی۔

یہ طے کیا گیا ہے کہ کیسٹ کے موجودہ پروگرام کے ساتھ لانگ پلے ریکارڈ بھی تیار کرائے جائیں اس سلسلہ میں جو لوگ دلچسپی رکھتے ہوں وہ ادارہ کو مطلع فرمائیں۔

۱۲۔ الرسالہ کیسٹ خدا کے فضل سے بہت پسند کیا گیا ہے۔ دوسرا کیسٹ (یکم ستمبر ۱۹۸۵) کا عنوان ہے " اسلامی دعوت کے جدید امکانات " تیسرا کیسٹ (یکم اکتوبر ۸۵) انشاء اللہ اسلامی اخلاق

کے موضوع پر ہوگا۔

۱۳۔ الرسالہ کیسٹ کے سلسلہ میں جو مختلف تاثرات ہم کو موصول ہوئے ہیں ان میں سے چند یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ ایک صاحب گلبرگہ سے لکھتے ہیں: "جولائی کا کیسٹ ملا۔ اگلے دن میں تمام دن مختلف محلوں میں جاکر مولانا وحیدالدین خان صاحب کی تقریر ایمان سناتا رہا۔ تمام لوگوں نے خشوع وخضوع کے ساتھ سنا۔ اور کہا کہ ایمان تازہ ہوگیا۔ اور ہم مادی فضا سے نکل کر دینی فضا میں آگیے۔ (۲۲ جولائی ۱۹۸۵) ایک صاحب سری نگر سے لکھتے ہیں: " ایمان پر کیسٹ سنا۔ بے شک میری روح کو تسکین مل گئی۔ اب نئے سرے سے زندگی شروع کرنی ہے " (۲۰ جولائی ۱۹۸۵) ایک صاحب کشمیر سے لکھتے ہیں: "آپ کا کیسٹ چند ساتھیوں کے ساتھ سنا۔ اللہ ہمیں وہی زندہ ایمان عطا کرے جس کی آپ نے نشاندہی فرمائی ہے۔ الرسالہ کیسٹ کا پروگرام نہایت موثر اور کامیاب پروگرام ثابت ہوگا۔ اور یہ ایک بہت بڑے خلا کو پُر کرے گا۔ (۲۳ جولائی ۱۹۸۵) ایک صاحب راجستھان سے لکھتے ہیں: جولائی والا ایمان کا کیسٹ ہم سب لوگوں نے سنا۔ بڑا لرزہ خیز اور بڑا موثر ہے " (یکم اگست ۱۹۸۵) ایک صاحب بمبئی سے لکھتے ہیں: " الرسالہ کیسٹ مجھے بہت پسند آیا۔ آپ کی موثر آواز نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ کیسٹ کا مضمون بھی ایمان افروز ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ الرسالہ کی روشنی دور دور تک پہونچے اور تاریک ذہنوں کو منور کرے۔ (۷ اگست ۱۹۸۵) ایک صاحب سعودی عرب سے لکھتے ہیں: "ایمان پر تقریر کا کیسٹ ملا۔ یہ چیز بے انتہا اچھی اور پُر اثر ہے۔ اب انشاءاللہ آپ کی آواز ہر گھر میں سنائی دے گی۔ اس سے اصلاح کے کام میں بہت مدد ملے گی۔ یہاں کیسٹ کی بے انتہا ضرورت ہے۔ کیوں کہ لوگوں کیلیے یہ کیسٹ بہت موزوں ہوتے ہیں " (۵ اگست ۱۹۸۵)

۱۴۔ تذکیر القرآن (جلد دوم) کی تیاری خدا کے فضل سے مسلسل جاری ہے۔ سورہ الروم (پارہ ۲۱) تک لکھی جا چکی ہے۔ تحریر اور کتابت کی تکمیل کے بعد انشاءاللہ وہ فوراً چھاپ دی جائے گی۔

۱۵۔ " حل یہاں ہے " اور " فسادات کا مسئلہ " دو الگ الگ کتابیں تھیں۔ اب ان دونوں کتابوں کو مزید اضافہ کے ساتھ ملا کر ایک کتاب شائع کی گئی ہے جس کا نام ہے —— " حل یہاں ہے " یہ دونوں کتابیں الگ الگ بھی دستیاب ہیں اور ان کا یکجائی اڈیشن بھی۔

ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ اور انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہنچایا جائے۔

الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہنچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متنوع قارئین تک اس کو مسلسل پہنچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کار نبوت ہے اور ملت کے اوپر خدا کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو یا انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فیصد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لئے ادائگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور صاحب ایجنسی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینے میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

۴۔ صاحب استطاعت افراد کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ ایک سال یا چھ ماہ کی مجموعی رقم پیشگی روانہ کر دیں اور الرسالہ کی مطلوبہ تعداد ہر ماہ ان کو سادہ ڈاک سے یا رجسٹری سے بھیجی جاتی رہے۔ ختم مدت پر وہ دوبارہ اسی طرح پیشگی رقم بھیج دیں۔

۵۔ ہر ایجنسی کا ایک حوالہ نمبر ہوتا ہے۔ خط و کتابت یا منی آرڈر کی روانگی کے وقت یہ نمبر ضرور درج کیا جائے۔

ڈاکٹر ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مستول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ سی۔ ۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی سے شائع کیا

الرسالہ
کیسٹ

الرسالہ کیسٹ کی روانگی شروع ہوگئی ہے

انفرادی خریدار اطلاع بھیج کر جلد اپنی خریداری درج کرادیں۔

جو حضرات اس کی ایجنسی لینا چاہیں

وہ بھی اپنی مطلوبہ تعداد سے مطلع فرمائیں۔

الرسالہ کیسٹ کی ایجنسی کم از کم پانچ کیسٹوں پر دی جائے گی۔

کمیشن :

۲۵ کیسٹ تک — ۲۰ فی صد

۲۵ کیسٹ سے زیادہ — ۲۵ فی صد

(ہدیہ فی کیسٹ ۲۵ روپیہ)

الرسالہ کیسٹ

سی ۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

Regd. No. D(SE) 243
Regd. R.N. No. 28822/76

October 1985
Number 107

AL-RISALA MONTHLY

C-29 NIZAMUDDIN WEST NEW DELHI 110 013 Tel. 611128

الرسالہ

کیسٹ

ماہانہ کیسٹ سیریز

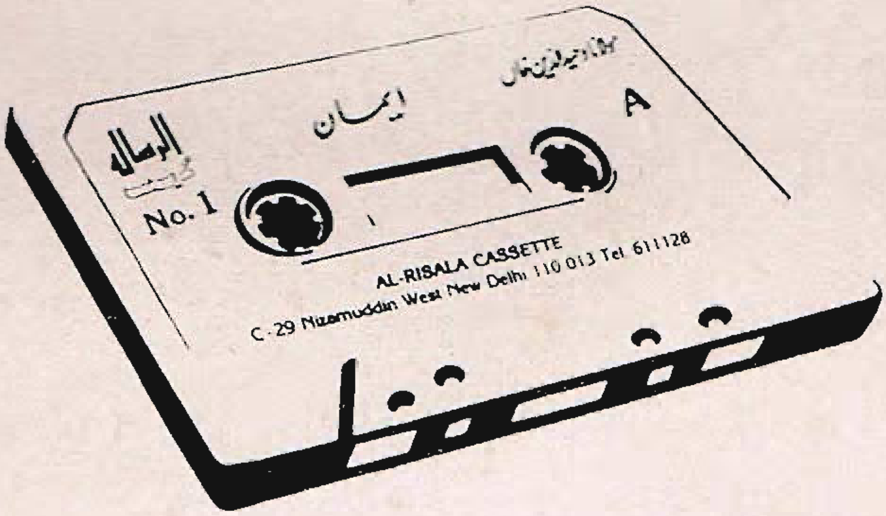

عصری اسلوب میں
اسلامی تعلیمات

مولانا وحیدالدین خاں کی آواز میں

ہدیہ فی کیسٹ ۲۵ روپیہ	ششماہی (۶ کیسٹ) ۱۴۰ روپیہ	سالانہ (۱۲ کیسٹ) ۲۵۰ روپیہ
بیرونی ممالک سے ۵ ڈالر امریکی	۲۵ ڈالر امریکی	۵۰ ڈالر امریکی

مزید معلومات کے لیے لکھیں

الرسالہ کیسٹ

سی ۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

AL-RISALA CASSETTE C-29 Nizamuddin West New Delhi 110 013